فقہ اسلامی

اور

غیر مقلدین

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

ناشر

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

فقہ اسلامی اور غیر مقلدین

اسلامی فقہ اور
غیر مقلدین

گذارش احوال واقعی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن،

اَمَّا بعد:

دین اسلام سے وابستہ معمولی درجہ کا آدمی بھی اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ ہم تک جو" دین وشریعت" کے احکام ومسائل ،حقائق ومعارف اور اس کا مزاج و انداز پہنچا اس کا ذریعہ و وسیلہ اولاً حضرات صحابہ ہیں پھر تابعین و تبع تابعین اور بعد کے ائمہ محدثین وفقہاء ہیں ،اگر اس واسطہ کو درمیان سے اٹھا دیا جائے تو" دین و شریعت" سے ہماری وابستگی کا کوئی معنے ہی نہ ہوگا۔

اسی لیے ہمیشہ سے اہل اسلام نے حاملین دین وشریعت صحابہ،علماء،فقہاء و محدثین کی عظمت وجلالت بزرگی وشرافت ،دیانت وامانت ،تقوی وطہارت کا اعتراف کیا ہے اور اپنی نسلوں میں اس عظمت واعتماد کو باقی رکھنے کی فکر فرمائی ہے کیونکہ اگر اسلاف پر اعتماد نہ رہا تو نہ قرآن پر اعتماد ہوسکتا ہے اور نہ حدیث پر اور نہ دین کی کسی بات پر۔

مگر افسوس کہ بعض لوگ ،اسلام دشمن عناصر کی رچائی ہوئی سازش کا شکار ہوکر، اسلاف کی عظمت وجلالت اور ان کے اعتبار واعتماد کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے بلکہ مشکوک کرنے کی ناروا جسارت کررہے ہیں۔

کبھی صحابہ کرام کی عظیم شخصیات پر تنقید وجرح کرتے ہیں کبھی تابعین و تبع

تابعین وائمہ فقہ وحدیث کو ہدف ملامت بناتے ہیں کبھی ان کی شخصیات کو موردلعن و طعن قرار دیا جاتا ہے تو کبھی ان کے کارناموں اور قربانیوں اور خدمات کو ہدف الزام بنا کران میں کیڑے نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ سب دراصل انگریزی وسامراجی قوتوں کا پیدا کردہ ناپاک فتنہ ہے جس کا مقصد اسلاف اوران کی خدمات سے اعتماد کو ختم کرنا اوراہل اسلام میں دین وشریعت کے بارے میں شک وریب پیدا کرنا ہے، اس فتنہ وسازش میں جہاں بہت سے لوگ ملوث ہوئے ،وہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر'' طبقۂ غیر مقلدین'' بھی اس سازش کا آلۂ کار بن گیا اور اس نے مسلسل حضرات ائمہ وفقہاء، بلکہ حضرات صحابہ کرام کو ہدف ملامت بنا کر،لوگوں کے درمیان اختلاف وانتشاراوراسلاف سے بے اعتمادی وبدظنی کی فضا پیدا کردی ہے۔

اس طبقہ نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہے، یہ دراصل ،اس لفظ کا غاصبانہ قبضہ ہے،جس طرح منکرین حدیث نے اپنا نام ''اہل قرآن'' رکھ لیا ہے،اوراس لفظ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے،قرآن وحدیث پر عمل پوری امت کا مشترکہ ورثہ ہے،صرف اپنے کو اہل قرآن کہنا ، یا اہل حدیث کہنا اور پوری امت کو قرآن کا یا حدیث کا باغی یا منکر قرار دینا ، انتہائی جسارت کی بات ہے، پھر خاص طور پر صحابہ و فقہاء وائمہ کو بھی قرآن وحدیث کے باغی اوراپنی رائے کے پابند کہنا انتہائی درجہ کی جسارت ہے مگر یہ طبقہ اس جسارت ہی کو اپنی پوری لیاقت وحقانیت سمجھتا ہے۔

پھر جن مسائل کو عام طور پر یہ لوگ اچھالتے اورعوام کو انتشار وپریشانی میں مبتلا کرتے ہیں،ان میں سے اکثر وہ ہیں جن میں زمانۂ سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے اوراس فروعی وجزئی اختلاف کو صحابہ وتابعین وتبع تابعین اوران کے بعد بھی ہر زمانہ کے علماء وائمہ نے نہ تو حق وباطل کا اختلاف سمجھا اور نہ اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر

اعتراض ونکیر فرمائی بلکہ اس اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ احترام و اکرام محبت وعظمت اور حسن سلوک ورعایت ادب کا معاملہ فرمایا مگر غیر مقلدین انہی مسائل اختلافیہ کو حق و باطل بلکہ ایمان وکفر کا اختلاف سمجھتے اور سارے ائمہ وعلماء اور عام مسلمین کی تفسیق وتضلیل اور تکفیر وتذلیل کرتے ہیں۔

ان کا کہنا تو یہ ہے کہ امت میں اتحاد ہونا چاہیئے مگر اتحاد کی جو صورت یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ نہ شرعاً قابل قبول ہوسکتی ہے اور نہ عقلاً قابل اعتبار، کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ائمہ وفقہاء کو چھوڑ دو اور سب کے سب قرآن وحدیث پر جمع ہو جاؤ۔ بظاہر یہ نعرہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے لیکن نہ شرعاً یہ قابل قبول ہے نہ عقلاً۔

شرعاً تو اس لیے کہ اس نعرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر جاہل کو قرآن وحدیث کی تشریح کا حق دیدیا جائے اور ائمہ وفقہاء نے جو تشریحات وتوجیہات بیان کی ہیں ان کو فضول سمجھا جائے اور جاہل وانا ڑی لوگوں کے ہاتھوں میں قرآن وحدیث دیکر ان کا کھلواڑ کیا جائے، ظاہر ہے کہ شریعت اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔

اور عقلاً یہ اس لیے نا قابل اعتبار ہے کہ اگر ایسا کیا بھی جائے گا تو پھر بھی قرآن وحدیث کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہوگا جس سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ مشورہ دیا ہے؛ بس فرق یہ ہوگا کہ اسلاف کے مابین جو اختلاف ہوا اس کی بنیاد علم و تحقیق اور دلائل و براھین تھے اور ان غیر مقلدین کے مابین جو اختلاف ہوگا (بلکہ ہوا) وہ جہالت و بے خبری کی بنیاد پر ہوگا، چنانچہ ان میں بھی کئی فرقے بن چکے ہیں جو ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ لوگ جو اتحاد امت کا نعرہ لگاتے ہیں ائمہ اسلاف کو اور اہل اسلام کو مشرک، کافر، فاسق وفاجر کہہ کر، اتحاد کس طرح پیدا کریں گے، جبکہ ان کی یہ

روش انتہاء درجہ اختلاف وانتشار پیدا کرتی ہے؟

یہ لوگ عموماً بخاری شریف اور مسلم شریف پر عمل کے مدعی ہیں اور دوسروں سے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں حدیث دکھاؤ، جبکہ نہ اللہ نے فرمایا اور نہ رسول اللہ ﷺ نے کہ صرف بخاری و مسلم کی حدیثوں پر عمل کرو پھر بخاری و مسلم کی حدیثوں پر صحیح ہونے کا حکم اور اس پر ایسا پختہ عقیدہ، محض ''امام بخاری و امام مسلم'' کی تقلید میں ہے جبکہ یہ لوگ فقہاء کی تقلید کو حرام وشرک کہتے ہیں اگر امام ابو حنیفہ اور فقہاء کرام کی تقلید شرک ہے تو امام بخاری و امام مسلم کی تقلید کرنا کیسے جائز ہوا؟

پھر یہ لوگ تقلید کو حرام وشرک کہتے ہیں حالانکہ ان کے عام لوگ بلکہ عام علماء بھی ان کے اپنے علماء ہی کی تقلید کرتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں ایک واقعہ جو خود میرے ساتھ پیش آیا تھا عرض کردوں، ایک دن میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک صاحب نے آ کر ملاقات کی پھر کچھ مسئلہ پوچھا، میں نے جواب دیا تو وہ صاحب پوچھنے لگے کہ کیا یہ بات بخاری میں ہے؟ اب میں سمجھا کہ یہ صاحب غیر مقلد ہیں کیونکہ بخاری شریف کو تو پوری امت مانتی ہے، مگر دین کو بخاری میں یا مسلم میں منحصر سمجھنا غیر مقلدین کی خصوصیت ہے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب بخاری شریف سے ثابت ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں، میں نے کہا کہ آپ نماز میں ہاتھ کہاں باندھتے ہیں؟ کہا کہ سینہ پر باندھتا ہوں میں نے کہا کہ یہ بخاری میں کہاں ہے؟ کہنے لگے کہ کیا بخاری میں نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ دعویٰ آپ کریں اور دلیل میں دوں؟ میں نے کہا کہ یہ نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں ہے، اب تو بڑے پریشان ہوئے، پھر کہنے لگے کہ نہیں، بخاری میں ضرور ہوگا، میں فلاں (نام لیکر) مولانا سے پوچھ کر آتا ہوں، میں نے کہا کہ یہی تقلید ہے کہ آپ صرف اپنے علماء کے کہنے پر کہ بخاری میں ہے عمل کر رہے ہیں اور آپ کو خود پتہ نہیں ہے کہ

یہ بخاری میں ہے یا نہیں؟ اور آپ کے نزدیک تقلید شرک ہے، پھر میں نے کہا کہ آپ کسی بھی اپنے عالم سے پوچھ لیں اور جب بھی بخاری یا مسلم میں مجھے ایسی حدیث دکھا دیں تو ایک لاکھ کا انعام دوں گا ، یہ صاحب اب بھی ادھر ادھر نظر تو آتے ہیں مگر آنکھ بچا کر چلے جاتے ہیں، افسوس کہ انعام لینے کی جرأت وہ آج تک نہ کر سکے۔

غرض یہ کہ خود غیر مقلدین بھی تقلید کرتے ہیں مگر تقلید کو شرک کہتے ہیں اور ائمہ کے خلاف لوگوں کا ذہن بتاتے ہیں اسی اختلاف وانتشار کو ختم کرنے کے لیے اور عوام کو اصل حقیقت سمجھانے کے لیے زیر نظر مضامین ، مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے ، ان میں سے بعض مضامین روزنامہ سالار بنگلور میں شائع ہو چکے ہیں ، اب ضرورت پر ان سب کو جمع کر کے اور بعض مضامین کا اضافہ کر کے کتابی صورت میں ، پیش کیا جا رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور لوگوں کے لیے مفید و بار آور فرمائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ ۸؍صفر

احاطہ جامعہ مسیح العلوم بنگلور

۱۴۲۲ھ ۳۰، مئی ۲۰۰۱ء

باسمہ تعالی

فقہ کی حقیقت وضرورت

اللہ تعالے نے اپنے فضل وکرم اور احسان سے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکامات اور تعلیمات نازل فرمائے اور ان کے نزول کے لیے مقدس ذوات کا انتخاب فرمایا جن کو انبیاء کرام کہا جاتا ہے اور ان کے قول وعمل، ان کی سیرت و کردار اور ان کے حالات ومعاملات کے ذریعہ اپنے احکام وفرامین کی تشریح وتوضیح فرمائی، اس طرح انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک طرف خدائی احکام کا مجموعہ تھا تو دوسری طرف نبی کے اقوال واعمال اور اس کی سیرت وکردار کا اُسوہ بھی تھا، آخری نبی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ جب خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے تو آپ پر اللہ کا آخری ودائمی کلام نازل ہوا جس کو ''قرآن مجید'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کے اقوال وافعال، آپ کے کوائف واحوال اور آپ کی سیرت و کردار کے ذریعہ اس کلامِ ربانی وحقّانی کی تشریح وتوضیح اور تبیین وتفہیم اور اس کے احکام پر عمل کی ترتیب وتسہیل کرائی گئی، اس طرح ہماری ہدایت کے لیے دو چیزیں بنیادی واساسی ماخذ کی حیثیت سے مقرر فرمادی گئیں، ایک قرآن مجید، دوسری نبی کی سنت۔

اسلام کے دو بنیادی مآخذ:

چنانچہ حدیث پاک میں حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، تم جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کی سنت۔(۱)

(۱) مشکوٰۃ:۳۱

نیز ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جابر ﷺ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور بدترین کام نیا ایجاد کردہ کام (بدعت) ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(۱)

اس حدیث میں ایک اللہ کے کلام کا اور دوسرے طریقہ محمدی (سنت) کا ذکر کرکے باقی امور کو شر قرار دیا گیا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مآخذ قرآن وحدیث ہیں۔

اجماعِ اُمت:

ہاں قرآن وحدیث ہی سے کچھ اور ماخذ کا بھی ثبوت ہوتا ہے، مثلاً اجماعِ اُمت کہ اگر کسی بات پر صحابہ کرام یا تمام علماء وائمہ کا اتفاق ہو جائے، وہ بھی ایک ماخذ اور دلیل ہے، علماء نے اجماع کی تعریف یہ لکھی ہے کہ:

الاجماع هو اتفاق جميع المجتهدين من المسلمين فى عصر من العصور بعد وفاة الرسول على حكم شرعى فى واقعة .

''اجماع نام ہے امتِ محمدیہ میں سے اہل حل وعقد (علماء وائمہ) کا بعد وفات رسول کسی زمانے میں کسی واقعہ کے حکم پر اتفاق کرنے کا۔''(۲)

علامہ عبدالوہاب خلاّف اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فاذا وقعت حادثة وعرضت على جميع المجتهدين من الامة الاسلامية وقت حدوثها واتفقوا على حكم فيها سمى اتفاقهم اجماعا واعتبر اجماعهم على حكم واحد فيها دليلا على ان هذا الحكم هو الحكم الشرعى فى الواقعة.''

(جب کوئی واقعہ ومسئلہ درپیش ہو اور اُمتِ اسلامیہ کے ائمہ مجتہدین کے

---

(۱) مسلم: ۱۴۳۵ (۲) علم اصول الفقہ: ۴۵ الاحکام للآمدی: ۲۵۴

سامنے اسی زمانے میں وہ پیش کیا جائے اور وہ سب کے سب اس بارے میں ایک حکم پر اتفاق کریں تو اس اتفاق کو اجماع کہا جاتا ہے اور ان کے ایک ہی حکم پر اجماع اور اتفاق کر لینے کو اس بات کی دلیل قرار کر دیا جائیگا کہ اس واقعہ ومسئلہ میں حکم شرعی یہی ہے۔(۱)

اجماع کے حجت ودلیل ہونے کی دلیل قرآن وحدیث میں وارد ہے۔

قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآئَتْ مَصِيْرًا ﴾(النساء :۵ ۱ ۱)

''جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور جو اہلِ ایمان کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرے گا تو ہم اس کو اس طرف لے جائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور ہم اسکو جہنم رسید کریں گے۔''

علامہ قرطبیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''قال العلماء فی قوله تعالی:''ومن یشاقق الرسول '' دلیل علی صحة القول بالاجماع''(علماء نے فرمایا کہ اس آیت میں اجماع کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔(۲)

اور علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''استدل الشافعی و تابعه الناس بقوله تعالی ومن یشاقق الخ علی حجة الاجماع و تحریم مخالفته''(کہ امام شافعی اور دیگر لوگوں نے آپ کی اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت میں اجماع کے حجت ہونے اور اس کی

(۱)علم اصول الفقہ :۴۵ (۲) قرطبی:۳۸۷/۵

مخالفت کے حرام ہونے کی دلیل ہے)(۱)

نیز حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا تجتمع امتی علی ضلالة“

(کہ میری اُمت گمراہی پر اتفاق واجماع نہیں کرسکتی)۔(۲)

اس حدیث سے بھی علماء نے استدلال کیا ہے کہ اُمت کا اجماع حجت ودلیل ہے، کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی ،لہٰذا اگر اُمت کسی بات پر اجماع کرلے تو وہ حق ہی پر اجماع ہوگا۔

غرض یہ کہ قرآن وحدیث ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دلیل وماخذ اجماع اُمت بھی ہے جس سے احکام کا علم ہوتا ہے۔

قیاس واستنباط:

اسی طرح قرآن وحدیث ہی سے ایک اور دلیل بھی ثابت ہوتی ہے اس کو فقہاء کرام کی زبان میں قیاس کہا جاتا ہے،اور اصولیین کی اصطلاح میں قیاس یہ ہے:

” **هو الحاق واقعة لا نص علی حکمها فی الحکم الذی ورد به النص ،لتساوی الواقعتین فی علة هذا الحکم**“ (جس مسئلہ کا قرآن وحدیث میں منصوص حکم نہ ہو اسکو حکم کے اعتبار سے اس مسئلہ سے ملانا جس کا حکم منصوص ہے اس وجہ سے کہ دونوں مسئلوں اور واقعات کی علّت ایک ہے،لہٰذا منصوص مسئلہ کا حکم غیر منصوص کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اس کو قیاس کہتے ہیں)۔(۳)

مثال کے طور پر ایک شخص جمعہ کے دن ، جمعہ کی اذان کے بعد اسکول میں بچوں کو پڑھاتا ہے،اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی

(۱) استنباط التنزیل:۸۲ (۲) ترمذی:۳۹/۲،ابوداوٗد:۵۸۴/۲

(۳) علم اصول الفقہ للعلامہ خلاّف:۵۲

منصوص حکم نہیں ہے، مگر فقہاء کرام قیاس سے اس کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ اذانِ جمعہ کے بعد تجارت ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اذان جمعہ کے بعد تجارت و بیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ خطبۂ جمعہ و نماز جمعہ میں خلل کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہ علّت اور وجہ جہاں بھی پائی جائے فقہاء کرام وہ حکم بھی اس پر لگاتے ہیں جو اذانِ جمعہ کے بعد تجارت کا قرآن نے بیان کیا ہے، لہٰذا تعلیم و تعلم ہو یا اور کوئی کام جس سے کہ نماز جمعہ میں خلل کا اندیشہ ہے وہ ناجائز ہوگا۔

علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا:

حضرات صحابہ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد فرماتے تھے اور بعض احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر پر اعتبار کرتے تھے، پھر متعدد مثالیں لکھ کر فرمایا کہ امام مُزنی (شافعی) نے کہا کہ فقہاء رسول اللہ ﷺ کے دور سے لیکر آج تک برابر تمام فقہی احکام میں جو ان کے دین سے تعلق رکھتے ہیں قیاس کا استعمال کرتے آرہے ہیں اور فرمایا کہ فقہاء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حق کی نظیر حق اور باطل کی نظیر باطل ہوتی ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ قیاس کا انکار کرے۔(۱)

قیاس کی حجیت قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہے، یہاں صرف ایک ایک دلیل پر اکتفاء کرتا ہوں، ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ یآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا أَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ أَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ ،فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ ،ذٰلِکَ خَیر وَّأَحْسَنُ تَأْوِیلاً ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ جن مسائل و معاملات میں اللہ و رسول کا صریح حکم نہیں ہے ان میں اللہ و رسول کے بیان کردہ احکام میں غور و خوض کر کے حکم معلوم کیا جائے گا،

---

(۱) اعلام الموقعین :۱/ ۲۰۳-۲۰۵

اور یہی قیاس ہے۔

اورحدیث سے اس کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہو تو تم کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرونگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت رسول میں بھی وہ مسئلہ نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں میری رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کمی نہ کروں گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے، علاّمہ ابن القیم اس حدیث کی صحت کی طرف مائل ہیں۔(۱)

غرض یہ کہ جمہور علماء وائمہ کے نزدیک قرآن وحدیث کی روشنی میں قیاس مجتہد بھی ایک دلیل ہے جس سے قرآن وحدیث میں پوشیدہ ومخفی حکم ظاہر ہوتا ہے، یہ نہیں کہ قیاس کے ذریعہ احکام بنائے وتراشے جاتے ہیں۔ اسی لیے علماء اصول نے لکھا ہے کہ (**القیاس مُظھر لا مثبت**) یعنی قیاس پوشیدہ احکام کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ نئے احکام ثابت کرتا ہے۔(۲)

یہ کل چار دلائل ہیں جو جمہور علماءِ اُمت کے نزدیک معمول بہا ومعتبر ہیں اور ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، بلکہ دیگر ائمہ مجتہدین

---

(۱) دیکھو اعلام الموقعین: ۲۲/۱ (۲) اصول البزدوی: ۲۴۹

سب کے سب ان چاروں دلیلوں کو مانتے ہیں، سوائے اہل الظاہر کے (جن میں آج کل کے اہل حدیث حضرات بھی داخل ہیں) اور بعض فرقوں کے کوئی اس کا منکر نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض کم فہم لوگ قیاس کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ کرام محض اپنی عقل و فہم سے جو مناسب خیال کرتے ہیں، اس کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ قیاس کے معنی یہ نہیں ہیں، اگر یہ معترض لوگ ''اصول فقہ'' کی کتابوں میں قیاس کی حقیقت و تعریف کھول کر پڑھتے تو شاید غلط فہمی سے محفوظ رہتے اور ائمہ کرام سے بدگمانی و بدزبانی میں مبتلا نہ ہوتے۔

پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ آئے دن مختلف واقعات و حوادث پیش آتے رہتے ہیں، اور عجیب و غریب مسائل و حالات سے ہم دوچار ہوتے رہتے ہیں، اور قرآن و حدیث میں ان نئے نئے احوال و حوادث کا صاف صاف کوئی حکم نہیں ملتا، اب ایسی صورت میں ایک راستہ تو یہ ہے کہ ہم یوں کہدیں کہ یہ احوال و حوادث شرعی والٰہی قانون و حکم سے آزاد و خارج ہیں، ان کا کوئی حکم نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلام کے مکمل و کامل ہونے کے خلاف ہے، جس کا اعلان بڑی شد و مد کے ساتھ قرآن کریم نے فرمایا ہے اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں غور و فکر کر کے ان حالات و واقعات کی نظیروں کو تلاش کیا جائے اور ان نظائر پر ان نئے احوال و حوادث کو قیاس کر کے وہی حکم ان کے لیے بھی ثابت کیا جائے، اسی دوسرے طریقہ کا نام فقہاء کی اصطلاح میں قیاس ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ عقلاً و عرفاً بھی پسندیدہ ہے اور اسلام کے کامل و مکمل ہونے سے زیادہ موافقت و مطابقت بھی رکھتا ہے۔

چنانچہ تمام فقہاء کرام غیر منصوص مسائل میں قیاس سے کام لیکر ان کا شرعی حکم تلاش کرتے اور قرآن و حدیث میں مذکور نظائر و امثال سے ان کا حکم مستنبط کرتے ہیں۔

اس خاص مسئلہ اور واقعہ میں بظاہر قرآن و حدیث ساکت ہیں، لیکن ایک دوسرے واقعہ سے اس کا حکم مستنبط کیا گیا ہے، اس کو قیاس کہتے ہیں اور حدیث میں بھی صراحتاً اس کی اجازت آئی ہے اور حضرات صحابہ بھی ایسے مسائل میں قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔

کیا قیاس ممنوع ہے؟

ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہاں یہ شبہ ہو کہ صحابہ کرام اور فقہاء کرام سے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں رائے سے کام لینا حرام ہے، تو پھر قیاس کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دین میں رائے سے بچو۔ نیز فرمایا کہ اصحاب الرای سنتوں کے دشمن ہیں۔(۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فقہاء چلے جائیں گے تو پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے اور ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔ نیز فرمایا کہ میری یہ رائے ہے، میری یہ رائے ہے کہنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ میری رائے میری رائے کہنے سے ہی ہلاک ہوئے۔ الخ (۲)

علامہ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں متعدد حضرات صحابہ سے نیز علماء و فقہاء سے دین میں رائے کے استعمال کی مذمت و برائی نقل کی ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے مراد وہ رائے ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو، باقی غیر منصوص مسائل میں نظائر و امثال پر نظر کرتے ہوئے ان کا حکم مستنبط کرنا یہ خود صحابہ سے اور فقہاء سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ کے حوالہ سے اوپر عرض کر چکا ہوں، لہٰذا اس قسم کے اقوال سے حضرات فقہاء پر

(۱) اعلام: ۱/۵۵ (۲) اعلام الموقعین: ۱/۵۷

خصوصاً فقہ حنفی کے ائمہ پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ لوگ رائے اور قیاس کو دین میں داخل کرتے ہیں اور گناہ کا کام کرتے ہیں، انتہائی غباوت اور جہالت کا کام ہے اور نہ صرف ائمہ پر بلکہ حضرات صحابہ پر بھی الزام و بہتان ہے۔

بہر حال اجتہادی غیر منصوص مسائل میں قیاس سے کام لیا جاتا ہے اور یہاں بھی مجتہد ائمہ کرام کی آراء میں اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ ایک امام و مجتہد نئے مسئلہ کے حل کے لیے قرآن و حدیث میں غور کر کے کسی بات کو اس کی نظیر سمجھتا ہے اور اس کا حکم بیان کرتا ہے، اور دوسرا مجتہد اسی مسئلہ کے لیے کسی بات کو اس کی نظیر خیال کر کے دوسرا حکم بیان کرتا ہے۔ مگر اس میں بھی کسی پر کوئی ملامت نہیں بلکہ ہر ایک اجتہاد کی رو سے لائق تعریف و توصیف اور مستحق اجر ہوتا ہے۔

۞ مجتہد ہر حال میں مستحق اجر ہے:

چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

(جس حاکم (یا مجتہد) نے اجتہاد کیا اور صواب کو پا لیا تو اس کو دو اجر ہیں اور جس حاکم یا (مجتہد) نے خطا کی (یعنی نیک نیتی سے اجتہاد کے باوجود اس سے خطا ہو گئی) تو اس کو ایک اجر ہے)(۱)

اس حدیث میں حاکم و قاضی کے لیے ہر صورت میں اجر کا وعدہ و بشارت ہے۔

صواب کو پہنچ جانے کی صورت میں دُہرے اجر کا، اور خطا ہو جانے کی صورت میں ایک اجر کا، اور یہی حکم مجتہد امام کا بھی ہے چنانچہ جمہورِ علماء نے اسی حدیث سے مجتہد کے لیے ہر صورت میں اجر ملنے کا حکم اخذ کیا ہے۔

الغرض جو عالم قوتِ اجتہادیہ رکھتا ہے، وہ اپنے اجتہاد میں ہر صورت میں

(۱) بخاری:۲/۱۰۹۲، مسلم:۲/۷۶، ترمذی:۱/۲۴۷، ابوداؤد:۲/۵۰۳، نسائی:۲/۳۰۳

ماجور و مستحق ثواب ہے لہٰذا کسی پر ملامت و مذمت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

فقہ کیا ہے؟

پس ان چاروں دلائل کی روشنی میں ظاہری عبادات جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، قربانی، نیز طہارت اور معاملات و معاشرات وغیرہ سے متعلق شرعی احکام کا مجموعہ فقہ کہلاتا ہے۔علامہ عبدالوہاب الخلاف اپنی کتاب لاجواب ''علم اصول الفقہ'' میں فقہ کی تعریف و حقیقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہ بنتا ہے ان شرعی احکام کے مجموعہ سے جن کا تعلق انسان سے صادر ہو نے والے اقوال و افعال سے ہو اور وہ احکام یا تو قرآن و حدیث کی نصوص سے مستفاد ہوتے ہیں یا دیگر دلائل شرعیہ سے مستنبط ہوتے ہیں۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ دراصل قرآنی و حدیثی نصوص اور اجماعی و قیاسی اصول کی روشنی میں مرتب احکام کا مجموعہ ہے، قرآن سے نکلے ہوئے احکام بھی اس میں ہیں اور احادیث سے مستنبط احکام بھی اس میں ہیں، نیز اجماعی مسائل بھی اس میں ہیں اور وہ احکام بھی اس میں ہیں جو قیاس کے ذریعہ مجتہدین نے اخذ واستنباط فرمائے ہیں۔

فقہ، قرآن وحدیث ہی کا ثمرہ ہے:

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ فقہ درحقیقت قرآن وحدیث ہی کا ثمرہ اور پھل ہے کیونکہ یہ یا تو قرآن وحدیث کے احکام منصوصہ ومستنبطہ کا مجموعہ ہے یا اجماعی وقیاسی احکام کا مجموعہ ہے(جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا)۔اور یہ معلوم ہو چکا کہ اجماع وقیاس بھی قرآن وحدیث کے حکم کے موافق دلائل شرعیہ میں داخل ہیں، لہٰذا جب فقہ ان چار دلائل سے حاصل شدہ احکام کا مجموعہ ہے تو وہ دراصل قرآن وحدیث

(۱)علم اصول الفقہ :۱۱

ہی کا ثمرہ و پھل اور خلاصہ ولب لباب ہے۔

فقہ کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھنا یا ان سے ہٹی ہوئی یا زائد چیز سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور سطحیت پسندی کا نتیجہ ہے یا تعصب و نا انصافی کا کرشمہ، ورنہ حق پسند و انصاف پسند صاف محسوس کرے گا کہ فقہاء کرام کی کوششوں کے نتیجہ میں تیار ہونے والا فقہ کا یہ عظیم ذخیرہ دلائل شرعیہ ہی سے حاصل کردہ ہے اور اس کا انکار دراصل قرآن وحدیث کا انکار ہے۔

شریعت میں تفقہ کا مقام:

اس اجمال کے بعد ہم اس کی تفصیل اور تحقیق میں جانا چاہتے ہیں تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

فقہ کا لفظ عربی زبان میں جاننے اور سمجھنے کے معنے میں آتا ہے بعد میں اس کا استعمال زیادہ تر علم دین کے معنے میں ہونے لگا کیونکہ علم دین کو عام علوم پر سیادت و شرافت حاصل ہے۔ نیز علماء نے فرمایا کہ فقہ اصل میں فہم وسمجھ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو دین میں فقہ عطا ہوئی یعنی دین کی سمجھ عطا کی گئی۔(۱)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ **مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُفَقِّهْهُ فِیْ الدِّیْنِ** ﴾ یعنی اللہ تعالے جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ (فقہ) عطا فرماتے ہیں۔(۲)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ **فقیه واحد اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عاَ بِدٍ** ﴾ یعنی ایک فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔(۳)

---

(۱) لسان العرب، مادہ ''فقہ'' جلد: ۵۲۲/۱۳ (۲) مشکوۃ: ۳۲

(۳) ترمذی: ۹۷/۲، مشکوۃ: ۳۴

اور بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سونے چاندی کے کان کی طرح ہیں جوان میں زمانۂ جاہلیت میں (کریم الاخلاق ہونے کی وجہ سے) اچھے اور بہتر تھے وہ لوگ اسلام میں (یعنی اسلام لانے کے بعد) بھی بہترین لوگ ہیں جبکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔(۱)

ان احادیث میں تفقہ وفقاہت (یعنی دین کی سمجھ) کی تعریف واہمیت بیان ہوئی ہے۔پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں فقاہت اس کو دی جاتی ہے جس سے اللہ تعالے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں۔علامہ عبیداللہ مبارکپوری مشہور اہل حدیث عالم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

''فقہ اصل میں فہم کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے ''فَقِہ الرجل''(ق پر زیر کے ساتھ) جبکہ آدمی جان لے اور سمجھ جائے اور فَقُہ (ق پر پیش کے ساتھ) اس وقت بولتے ہیں جبکہ عالم وفقیہ ہو جائے اور عرف نے فقہ کو عملی احکام شرعیہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور اس حدیث میں اس کو لغوی معنی پر محمول کرنا اولی ہے تاکہ علوم دین میں سے ہر علم کی سمجھ کو شامل ہو جائے۔(۲)

دوسری حدیث جس میں فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے یہ اگر چہ سندِ ضعیف سے آئی ہے مگر چونکہ اس کی متعدد سندیں ہیں لہٰذا ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔(۳)

اس حدیث سے بھی فقہ اور دین کی سمجھ کی فضیلت وعظمت معلوم ہوتی ہے یہاں یہ باریک نکتہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس حدیث میں جو عابد کا ذکر ہے اس

(۱) مسلم شریف: ۳۰۷/۲، بخاری: ۴۹۲/۲، مشکوۃ: ۳۲، دارمی: ۵۲/۱۸

(۲) مرعاۃ المفاتیح: ۳۰۴/۱ (۳) المقاصد الحسنۃ: ۳۹۶، مرعاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۱

سے مراد دین کے علم سے بالکل عاری اور جاہل نہیں ہے، کیونکہ عبادت کرنے والا بھی کچھ نہ کچھ دین کا علم رکھتا ہے جیسا کہ عوام الناس عبادت کرتے ہیں تو اس کے فرائض وواجبات، سنن وآداب جانتے ہیں تب ہی تو وہ عابد ہوگا، بالکل نرا جاہل جسے دین کا کچھ بھی علم نہ ہو وہ درحقیقت عابد بھی نہیں ہوسکتا، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس حدیث کے اوپر غور فرمایئے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام دین کا علم رکھتے ہوئے عبادت کرنے والے ہزاروں عابدوں پر فقیہ کو مقدم فرمارہے ہیں اور شیطان پر بمقابلہ ہزار عابدوں کے اس کو بھاری فرمارہے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہاں فقیہ سے مراد دین کا تھوڑا بہت علم رکھنے والا نہیں ہے کیونکہ ایسا علم تو عابد کو بھی حاصل ہے، بلکہ فقیہ سے مراد وہ ہے جس کو دین کی سمجھ وفہم اور شریعت کے نصوص ودلائل اور ان دلائل کے استعمال کے مواقع کی مہارت دی گئی ہو یا وہ عالم مراد ہے جو احکام دین سے اور ان کی تفاصیل سے واقف کار ہو۔(۱)

اسی طرح تیسری حدیث سے واضح ہوا کہ جو لوگ شریف الذات وکریم الاخلاق ہوتے ہیں وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہترین لوگ ہوتے ہیں جب کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اسلامی شرافت وبزرگی کی تکمیل صرف تفقہ فی الدین سے ہوتی ہے۔(۲)

غرض یہ کہ فقہ یعنی دین کی سمجھ بوجھ اور دلائل شرعیہ ونصوص شرعیہ کو تحقیق وتفصیل سے جان کر ان کا اپنے موقعہ ومحل میں استعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور اسلامی شرافت وعظمت کے لیے ایک ضروری امر ہے، اس کے بغیر نہ

---

(۱) مرعاۃ المفاتیح: ۳۲۱/۱ (۲) فتح الباری: ۵۲۹/۲

دلائل ونصوص کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کا بر موقعہ و برمحل استعمال ہو سکتا ہے۔ اس سے فقہ وتفقہ کی حیثیت اور اس کا اسلام میں مرتبہ ومقام واضح طور پر معلوم ہو گیا۔

لفظ فقہ کا ماخذ حدیث ہے:

اوپر پیش کردہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فقہاء وعلماء کے کلام میں جو "فِقہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ من گھڑت نہیں ہے بلکہ حدیث سے ماخوذ ہے اور میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ واضح ماخذ لفظ فقہ کا یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿نَضَّرَ اللّٰهُ عَبۡدًاسَمِعَ مَقَالَتِیۡ فَحَفِظَهَا وَوَ عَا هَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقۡهٍ غَیۡرُ فَقِیۡهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقۡهٍ اِلٰی مَنۡ هُوَ أَفۡقَهُ مِنۡهُ﴾ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بندہ کو ترو تازہ رکھے جس نے میری بات سنی پھر اس کو یاد کیا اور یاد رکھا، پھر اسکو دوسروں تک پہنچایا کیونکہ بعض حامل فقہ (یعنی حدیث یاد رکھنے والے) فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حامل فقہ اس شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔(۱)

اس حدیث میں حامل فقہ اس شخص کو کہا گیا ہے جو نبی کریم ﷺ کی بات کو سنا اور یاد کیا ہوا ہو، تو فقہ کا لفظ حدیث یا قرآن وحدیث دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فقہ کا لفظ قرآن وحدیث کے علم کے لیے خود زبان رسالت سے صادر ہوا ہے اور فقہاء اسی کی اتباع میں قرآن وحدیث سے مستنبط احکام وعلوم کو فقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

محدث اور فقیہ کا فرق:

اوپر پیش کردہ حدیث (رب حامل فقه غير فقيه الخ) سے محدث اور فقیہ کی ذمہ داری اور ان کے منصب کا فرق بھی معلوم ہو گیا، وہ یہ کہ محدث کا کام یہ

(۱) مشکوۃ: ۳۵، مسند شافعی: ۸۲، ترمذی: ۲/ ۹۴، ابوداؤد: ۲/ ۵۱۵، دارمی: ۵۳۱

ہے کہ حدیث کے یاد کرنے یا درکھنے اور دوسروں تک من وعن (کما سمع) پہنچانے کا اہتمام وفکر کرے اور فقیہ کا کام اور اس کا منصب یہ ہے کہ وہ حدیث کے الفاظ کے معنی پر اس کے سیاق وسباق پر، اس کے مقصد ومنشاء پر، اس کی علّت وحکمت پر غور وفکر کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ تفقہ کا کام ہر ایک کے بس کا نہیں، ہر کس وناکس اگر تفقہ کا حامل ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ یہ کیسے ارشاد فرما سکتے ہیں کہ "بعض حامل فقہ (حدیث) غیر فقیہ ہوتے ہیں غرض حدیث کا یاد رکھنا اور اس کی روایت کرنا محدث کا کام ہے اور حدیث کی توضیح وتشریح کرنا اور اسکے منشاء کو معلوم کر کے اس کے احکام کا استنباط کرنا فقیہ ومجتہد کا کام ہے، لہٰذا جس طرح اُمت کو مجتہدین کی ضرورت ہے، اسی طرح اُمت حضرات فقہاء کرام کی بھی محتاج ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم کو امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد، وغیرہ محدثین کی اس لیے ضرورت ہے کہ ان کے ذریعہ ہم تک نبی کریم ﷺ کی احادیث محفوظ طریقہ پر پہنچیں تو اس کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ ہم کو ان احادیث کی تشریح وتفہیم اور ان کے منشاء ومقصد کی تبیین وتحقیق اور ان سے نکلنے والے احکام کے استنباط واستخراج کے لیے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام ابن مبارک، امام محمد وامام ابو یوسف جیسے فقہاء وعلماء کی بھی ضرورت ہے۔

اس تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی جو کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث جب ہمارے سامنے ہیں تو ہم کو کسی فقیہ ومجتہد کی کیا ضرورت ہے؟ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا یہ سوال واعتراض نبی کریم ﷺ کی مذکورہ حدیث پر واقع ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کو دوسروں تک پہنچا دو کیونکہ بعض حدیث کے حامل لوگ غیر فقیہ ہوتے ہیں؟ اللہ کے رسول ﷺ تو فرمائیں کہ ہر کوئی حدیث کو سمجھ نہیں سکتا سب کے سب فقیہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کسی فقیہ کی

ضرورت نہیں ہم خود سب سمجھ جائیں گے۔ فیاللعجب !

عدم تفقہ کے مضحکہ خیز نتائج:

جولوگ فقیہ نہیں ہوتے وہ جب قرآن وحدیث پڑھتے ہیں اوراپنی ناسمجھی سے ان کے مطالب ومعانی اخذ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں تو ان سے جوغلطیاں ہو تی ہیں اورقرآن وحدیث کے منشاء کے خلاف جومفہوم ومعنے وہ نکالتے ہیں ان کے مضحکہ خیز نتائج بھی سن لیجئے:

(۱) حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ آدمی اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کوسیراب کرے۔

اس حدیث کوایک نرے محدث نے طلبہ کے سامنے بیان کیا تو ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے بسا اوقات ایسا کیا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہوگیا تو ہم نے اپنے پڑوسی کے باغ میں یا کھیت میں چھوڑ دیا۔اب ہم اس فعل سے استغفار کرتے ہیں حالانکہ حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ باندیوں سے جماع نہ کیا جائے۔مگراس کوعدم تفقہ کی وجہ سے نہ سنانے والا سمجھا نہ سننے والے سمجھے۔(۱)

دیکھئے ظاہرالفاظ سے کس طرح دھوکہ کھالیا اگرفقہ اورتفقہ سے ان بیچاروں کو حصہ ملا ہوتا تو ایسی فاش غلطی نہ کرتے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ بنائیں (یعنی حلقے بنا کر مسجد میں بیٹھیں)

علاّمہ خطابی فرماتے ہیں کہ ایک محدث نے حدیث کے لفظ (**نهی عن الحِلَق**) کوحلق یعنی سر منڈوانا سمجھ کر چالیس سال تک جمعہ سے پہلے سر منڈوانے سے پرہیز کیا حالانکہ یہ لفظ حَلَق نہیں بلکہ حِلَق ہے جس کے معنی ہیں ’حلقے‘۔(۲)

---

(۱) تلبیس ابلیس علاّمہ ابن الجوزی:۱۶۶ (۲) ایضاً:۱۶۶

(۳) امام حاکم نے لکھا ہے کہ محمد بن علی واعظ تھے۔ انہوں نے حدیث پڑھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

(زَرَعُناَ تزُدَادُ حِناَ)

(ترجمہ: ہم نے کھیتی کی تو سب کی سب مہندی بن گئی)

لوگ حیران ہوئے کہ اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس پر ان واعظ نے ایک لمبا قصہ سنایا کہ کسی جگہ کے لوگ اپنی پیداوار کی زکوۃ (عشر) نہیں دیتے تھے اور نہ صدقہ نکالتے تھے۔ لہٰذا انکی کھیتی حِنا یعنی مہندی کا درخت بن گئی اسی قول کو رسول اللہ ﷺ نے نقل کیا ہے مگر معلوم ہے کہ یہ کس حدیث کا حشر واعظ شیریں بیاں نے کیا ہے سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ مشہور حدیث ﴿ زُرُ غِبّاً تَزُددُ حُباً ﴾ (ناغہ کر کے ملاقات کر محبت بڑھے گی) کا حشر ہے۔(۱)

(۴) حاکم وغیرہ نے لکھا ہے کہ فقیہ ابو منصور بن محمد نے فرمایا کہ میں یمن میں تھا، وہاں ایک اعرابی ہم سے مذاکرہ کرنے لگا اس نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے بکری کو کھڑا کر لیتے تھے میں نے انکار کیا کہ ایسا نہیں ہے تو وہ ایک کتاب اٹھا لایا اور اس میں حدیث دکھائی کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے عَنُزة رکھ لیتے تھے اور کہنے لگا کہ دیکھو یہ حدیث ہے۔ فقیہ ابو منصور فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تم نے خطا کی یہ " عَنُزة "(ن پر جزم کے ساتھ) نہیں ہے بلکہ عَنَزہ (ن پر زبر کے ساتھ ہے) جس کے معنی لکڑی وعصا کے ہیں۔(۲)

(۵) اس سے بھی عجیب وہ لطیفہ ہے جس میں ہے کہ ایک محدث صاحب نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب بھی استنجاء کرتے تو وتر پڑھتے جب ان سے اس کی وجہ

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث:۱۸۴، تدریب الراوی:۲/۱۱۴ (۲) ایضاً

دریافت کی گئی تو فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جو تم میں سے استنجاء کرے "فَلْیُوتِر"(وتر پڑھے) حالانکہ یہاں وتر کے معنی ہیں کہ استنجاء میں طاق عدد (تین، پانچ، سات) ڈھیلے لیا کرے۔ دیکھئے کہ فقہ نہ ہونے کے سبب کس قدر مضحکہ خیز مطلب نکال لیا۔

(۶) علامہ داؤد ظاہری جو بڑے عالم ہیں مگر نصوص کے ظاہر پر جمود میں شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے فقہ وتفقہ کی رعایت نہ کر کے بڑے عجیب مسائل بیان کئے ہیں مثلاً حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔(۱)

داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے اور اس سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ لیکن پاخانہ کرنا یا برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈال دینا جائز ہے اور اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ علامہ نووی نے ان کا یہ مسلک ذکر کر کے فرمایا کہ یہ مسئلہ ان کے جمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔(۲)

یہ چند مثالیں اس لیے پیش کی گئیں کہ ان سے یہ واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ فقہ وتفقہ کے بغیر قرآن ہو یا حدیث کسی کا بھی سمجھنا مضحکہ خیز غلطی کا ارتکاب کرا دیتا ہے۔

محدّث بھی فقیہ کا محتاج ہے

اسی وجہ سے محدث بھی فہم نصوص میں فقیہ کا محتاج ہے، جس طرح فقیہ روایت وحفاظتِ حدیث کے لحاظ سے محدث کا محتاج ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام اعمش کے پاس تھے، امام اعمش سے کسی صاحب نے کوئی مسئلہ دریافت کیا مگر آپ نے جواب نہیں دیا، پھر امام ابوحنیفہؒ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ آپ اس بارے میں جواب دیجئے، امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ کا جواب دیا۔ امام اعمش نے پوچھا کہ یہ

(۱) بخاری: ۲۳۲، مسلم: ۴۲۴ (۲) شرح مسلم: ۱/ ۱۳۸

جواب آپ نے کس دلیل سے دیا ہے؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی (پھر وہ حدیث بیان کی) یہ سن کر امام اعمش نے فرمایا کہ (نحن الصیادلة وانتم الاطباء) یعنی ہم (محدثین) تو دوا فروش ہیں اور تم (فقہاء) طبیب وڈاکٹر ہو۔(۱)

یعنی جس طرح دوا فروش مختلف دوائیاں رکھے ہوئے ہوتا ہے مگر کس دوا کا کیا اثر اور خاصیت ہے اور کس بیماری کے لیے مفید ہے اس کا علم اس کو نہیں ہوتا اور ڈاکٹر کو ان باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح محدث حدیث کا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے مگر کس حدیث میں کس روحانی مرض کی کیا دوا ہے اور کس حدیث سے کیا مسئلہ مستنبط ہورہا ہے اور کس موقعہ اور محل کا کیا حکم ہے یہ فقیہ جانتا ہے۔ یادرہے امام اعمش امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں۔

اسی طرح کا واقعہ امام اعمش اور امام ابویوسفؒ کے مابین بھی پیش آیا تھا جب امام ابویوسف نے مسئلہ کا جواب دیا تو امام اعمش نے پوچھا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی؟ ابویوسفؒ نے جواب دیا کہ اس حدیث سے جو آپ نے ہی مجھ سے بیان فرمائی تھی پھر وہ حدیث بیان کی تو امام اعمش نے فرمایا کہ یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جبکہ تمہارے ماں باپ (رشتہ ازدواج میں) جمع بھی نہ ہوئے تھے مگر اس حدیث کا یہ معنی ومطلب آج تک مجھے معلوم نہ تھا۔(۲)

دیکھ لیجئے کہ امام اعمش استاذ حدیث ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف دونوں ان کے شاگرد ہیں مگر فہم حدیث اور استنباطِ احکام میں وہ شاگردوں کے محتاج ہوئے اور خود انہوں نے اس کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا۔

---

(۱) جامع بیان العلم:۱۶۰/۲ (۲) جامع بیان العلم:۱۵۹/۲

فقہاء کرام کا مقام، ابن القیمؒ کی زبانی

حضرات فقہاء کا جو منصب و مقام ہے اس کو علامہ ابن القیمؒ نے بڑے بلند الفاظ میں پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پیغام کی تبلیغ دو قسم کی ہے، ایک اسکے الفاظ کی تبلیغ ہے اور دوسرے اس کے معانی کی تبلیغ، محدثین حضرات الفاظ کی حفاظت و تبلیغ کرتے ہیں اور فقہاء کرام معانی کی حفاظت و تبلیغ کرتے ہیں علامہ فرماتے ہیں کہ:

''فقہاء کرام ہی کے اقوال پر لوگوں کے درمیان فتویٰ دائر ہوتا ہے جن کو استنباطِ احکام کی صلاحیت سے خاص و ممتاز فرمایا گیا ہے اور جو حلال و حرام کے قواعد و اصول ضبط کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، پس یہ فقہاء زمین پر ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے، ان ہی کے ذریعہ تاریکی میں بھٹکے ہوئے لوگ راہ پاتے ہیں اور ان فقہاء کی ضرورت لوگوں کو کھانے پینے کی ضرورت سے زیادہ ہے ان حضرات کی اطاعت قرآن کی رو سے ماں باپ کی اطاعت سے زیادہ فرض ہے۔(۱)

غرض یہ کہ محدث کا اپنا وظیفہ اور کام ہے اور فقیہ کا اپنا وظیفہ اور کام ہے اور دونوں کی اُمت کو ضرورت ہے۔

فقہ حضراتِ صحابہ کے دور میں:

چنانچہ شروع دور ہی سے یہ طبقے اُمت کے اندر چلے آرہے ہیں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جیسے ایک طبقہ حفظ و نقل روایت حدیث میں مشغول تھا۔ ایک طبقہ احادیث میں غور و خوض ان سے استنباط احکام و اخذ مسائل میں مشغول و مصروف تھا۔ اور لوگ ان حضرات سے احکام و مسائل میں رجوع کیا کرتے تھے۔ علامہ ابن القیمؒ

---

(۱) اعلام الموقعین: ۹/۱

لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد فتوے کے کام پر اسلام کا اولین طبقہ ایمان (والوں) کی جماعت، قرآن کا لشکر اور رحمٰن کی فوج کھڑی ہوئی، یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے، ان میں بہت زیادہ فتوے دینے والے بھی تھے اور بہت کم دینے والے بھی اور متوسط بھی۔''(۱)

میں اس موقعہ پر مناسب سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کے فقہ وفتاوی کے کام کی چند مثالیں پیش کروں، جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے دور ہی سے فقہ وفتاوی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

صفا ومروہ کے درمیان سعی کا حکم:

حج میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کا حکم جمہورِ صحابہ وائمہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ضروری ہے، بعض تو اس کو حج کا رکن قرار دیتے ہیں، مگر اس بارے میں قرآن کریم میں جو آیت نازل ہوئی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی واجب وضروری نہیں بلکہ صرف جائز ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (بقرہ:۱۵۸)

(کہ حج وعمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں اس بات سے کہ وہ صفا ومروہ کا طواف کرے)

ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا ومروہ کے طواف پر کوئی گناہ نہیں لیکن کوئی نہ کرے تو کیا ہے؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ کرنے میں بھی حرج نہیں۔ چنانچہ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور خصوصی شاگرد تھے، ان کو یہی دھوکہ ہوا اور انہوں نے حضرتِ عائشہ سے عرض کیا کہ اگر میں صفا

(۱) اعلام الموقعین: ۱۱/۱

ومروہ کے درمیان طواف نہ کروں تو کوئی حرج اور گناہ تو نہ ہونا چاہیے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ کیوں؟ حضرت عروہ کہنے لگے کہ آیتِ قرآن میں یہی تو ہے کہ ان کا طواف کرنے میں گناہ نہیں، ضروری تو نہیں قرار دیا؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اے میری بہن کے لڑکے! اللہ کے رسول نے طواف کیا، مسلمانوں نے کیا، لہٰذا یہ سنت (یعنی اسلام کا طریقہ) ہے۔ اگر تم جو کہہ رہے ہو وہ بات صحیح ہوتی تو اللہ تعالی یوں فرماتا کہ صفا ومروہ کا طواف نہ کرنے میں گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفا ومروہ کا طواف نہیں کرتے تھے، جب اسلام آیا تو حج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے اس کا ذکر کیا کہ صفا ومروہ کے طواف کو لوگ حلال نہیں سمجھتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۱)

اس حدیث میں غور کیجئے کہ حضرت عروہ آیتِ کریمہ سے ایک بات اخذ کرتے ہیں، مگر حضرت عائشہ اس کا رد فرماتی ہیں اور حضور علیہ السلام اور صحابہ کے عمل اور آیت کے شان نزول کے پیش نظر اسی آیت سے اس کے خلاف مسئلہ اخذ واستنباط کرتی ہیں۔ اور علماء نے حضرت عائشہ کی اس فقاہت کو سراہا ہے۔ چنانچہ حضرت امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرتِ عائشہ کی یہ بات میں نے امام ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے سامنے پیش کی تو فرمایا "ان ھذا لعلم" (کہ یہ تو بڑا علم ہے) (۲)

۞ نماز میں ہنسنا ناقض نماز ہے:

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا کہ نماز میں اگر کوئی ہنسے تو نماز کو دہرانا ہوگا لیکن وضو کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (۳)

---

(۱) مسلم: ۱/ ۴۱۴، بخاری: ۱/ ۲۲۲، ابوداؤد: ۱/ ۲۶۱، نسائی: ۲/ ۴۰، ابن ماجہ: ۲۱۴

(۲) بخاری: ۱/ ۲۲۲، مسلم: ۱/ ۴۱۴ (۳) بخاری تعلیقا: ۱/ ۲۹، دارقطنی: ۱/ ۱۷۳، فتح الباری: ۱/ ۲۸۰

نیز ان سے مروی ہے کہ فرمایا: ہنسنے سے وضو لازم نہیں ہے۔(۱)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ نے بھی فرمایا کہ جو نماز میں ہنسے تو نماز کو دہرائے۔(۲)

یہ مسائل فقہ ہی تو ہیں جس کو صحابہ کرام نے بیان فرمایا ہے۔ البتہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور حضرت جابر سے جو اس صورت میں وضو لازم نہ ہونے کا حکم آیا ہے، تو یا تو اس سے مراد آہستہ ہنسنے کی صورت ہے یا یہ کہ یہ ان کا مسلک ہے بعض کے نزدیک زور سے ہنسنے کی صورت میں وضو لازم ہے۔

کیا پانی نہ ملنے پر جنبی تیمّم کرے؟

جمہور صحابہ و ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی نہ ملے تو جنبی (جس کو نہانے کی ضرورت ہو) کو چاہیئے کہ تیمّم کر کے نماز پڑھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنبی تیمّم نہ کرے اگرچہ ایک ماہ تک وہ پانی نہ پائے۔(۳)

اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی فرمائی کہ پانی نہ ملے تو جنبی نماز ہی نہ پڑھے۔ اگرچہ ایک ماہ گذر جائے۔(۴)

اور عجیب بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس مسلک پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان سے گفتگو بھی کی اور حضرت عمار کی حدیث سے ان پر احتجاج کیا اس کا جواب حضرت عبداللہ نے دیا کہ اس حدیث کو حضرت عمر نے قبول نہیں کیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے پھر آیت سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اگر ہم تیمّم کی اجازت دیدیں گے تو جب سردی محسوس ہوگی تو لوگ تیمّم کرلیا کریں

---

(۱) دار قطنی: ۱/۱۷۲ (۲) دار قطنی: ۱/۱۷۴ (۳) ابن ابی شیبہ: ۱/۱۸۳

(۴) بخاری: ۱/۵۰، ابن ابی شیبہ: ۱/۱۸۳

گے، اس پوری گفتگو کو امام بخاری و ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا۔

یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ صحابہ میں مسائل فقہ پر گفتگو ہوا کرتی تھی، دلائل پیش ہوتے تھے اور اپنے اپنے تفقہ کی بنا پر ان دلائل میں غور و خوض اور سوال و جواب کی نوبت بھی آیا کرتی تھی۔

میراث کا ایک مسئلہ:

صحابہ کے درمیان میراث کے ایک مسئلہ میں شدید اختلاف و مباحثہ ہوا ہے۔ وہ مسئلہ یہ کہ اگر کوئی شخص انتقال کر جائے اور اپنے پیچھے بھائی اور دادا چھوڑ جائے تو بھائیوں کو کتنا ملے گا اور دادا کا کیا حصہ ہوگا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ دادا کو کل مال متروکہ میں سے ایک تہائی ۱/۳ دیا جائے گا اور بقیہ دو تہائی بھائیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی آخری رائے بھی یہی تھی اور حضرت زید بن ثابت بھی اسی کے قائل تھے۔ اور اس کے برعکس حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ دادا کو کل مال سے چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بقیہ بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔(۱)

اسی مسئلہ میں جو فقہی بحث و مباحثہ اور اپنی اپنی رائے پر قیاس کا سلسلہ چلا، اس کا کچھ ذکر ابن القیمؒ نے کیا ہے، حضرت زید کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ تھا کہ دادا کی بنسبت، بھائی لوگ میراث کے زیادہ حقدار ہیں اور حضرت عمر کی رائے تھی کہ بھائیوں کے مقابلہ میں دادا میراث کا زیادہ حقدار ہے حضرت عمر نے مشورہ کیا تو حضرت زید نے کہا کہ اگر کسی درخت سے ایک شاخ نکلے اور پھر اس شاخ سے دو شاخیں پھوٹیں تو یہ شاخ دو شاخوں کی حامل ہے نہ کہ اصل درخت، اور یہ دو شاخیں آپس میں ایک

---

(۱) ابن ابی شیبہ: ۷/۳۵۱-۳۵۳

دوسرے سے قریب ہیں بہ نسبت اصل کے،اسی طرح بھائی ایک دوسرے کے قریب ہیں نہ کہ دادا۔ یہ حضرت زید کی تقریر کا خلاصہ ہے۔اور حضرت علی سے جب حضرت عمر نے مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا کہ دادا کو سدس (چھٹا) ہونا چاہیئے۔ پھر دادی کے سیلاب سے تمثیل پیش فرمائی۔(۱)

غور کیجئے کہ یہ سب کیا فقہ ہی تو نہیں؟ جس پر تبصرے وتذکرے حضرات صحابہ کے درمیان ہورہے ہیں، یہ مثالیں محض نمونہ کے لیے پیش کی گئیں ورنہ کتب حدیث اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ایسی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی،صرف ابن ابی شیبہ کا مصنف دیکھ جایئے۔ ہر باب ہر صفحہ پر حضراتِ صحابہ کے فقہی فیصلے واقوال مل جائیں گے خود بخاری شریف میں بے شمار فقہی اقوال صحابہ کے مذکور ہیں، معلوم ہوا کہ اسکی بنیاد حضراتِ صحابہ کے دور میں ہی پڑ چکی تھی اور متعدد صحابہ کے فقہی اقوال و فیصلے لوگوں میں معروف ومشہور ومعمول بہ تھے۔

فروعی اختلافات اوران کی نوعیت

۞ تمہیدی گذارش:

اس دور پرفتن میں سینکڑوں انواع واقسام کے فتنے مسلم معاشرے میں پرورش پارہے ہیں اوراس کو گھن کی طرح کھاتے جارہے ہیں اوران سارے فتنوں کی جڑ واساس اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو اُمت کی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کردینے والے وہ اختلافات اور آپسی نزاعات ہیں جن کی بنیاد پر فرقہ بندیاں اور پارٹی بازیاں جنم لے رہی ہیں، حالانکہ یہ اُمت اُمت واحدہ تھی، جو ایک ٹھوس عقیدہ پر قائم کی گئی تھی اوراس کو اتحاد کی ایک ایسی مضبوط لڑی میں پُرو دیا گیا تھا جس نے ان کے

(۱)اِعلام الموقعین :۱/ ۲۱۲

رنگوں کے اختلاف کو، زبانوں کے اختلاف کو، مزاجوں کے اختلاف کو، اجتہادی رایوں اور نظریوں کے اختلاف کو اور حسب و نسب کے اختلاف کو، ایک حسین امتزاج کے ساتھ اس طرح قبول کر لیا تھا جیسے موتیوں کی لڑی میں مختلف قسم کے موتی اپنے حُسن کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعوت نظّارہ دیتے ہیں۔

اگر مختلف اقسام و انواع کے موتی، اپنی رنگتوں اور صفتوں کے اختلاف کے باوجود ایک لڑی میں جمع ہو سکتے ہیں اور اختلاف میں اتحاد کا کرشمہ دکھا سکتے ہیں اور حسن و کمال کے مناظر پیش کر سکتے ہیں تو کیا اُمتِ مسلمہ بھی ایک مضبوط عقیدہ کی لڑی میں جمع ہو کر اپنے اختلافات کو اتحاد کے رنگ میں پیش نہیں کر سکتی؟ اور نظریاتی اختلافات کو رنگ برنگی موتیوں یا پھولوں کی طرح تعدد و تنوع کے حسین مالوں اور گلدستوں کے روپ میں نہیں پیش کر سکتی؟

مگر افسوس کہ آج ہم معمولی اور جزئیاتی و فروعی اختلافات کو کفر و اسلام کی جنگ سمجھ بیٹھے ہیں، اور شقاق و نفاق کی ساری وہ صورتیں جو کفر کا خاصہ اور مزاج ہیں، ہم خود اپنے بھائیوں کے لیے روا اور جائز رکھے ہوئے ہیں۔ ان حالات کا اقتضاء ہے کہ اختلاف کی نوعیت و حیثیت کو سمجھا جائے، اسی خیال سے ذیل کا مضمون پیش کیا جا رہا ہے۔

اختلاف کی دو قسمیں:

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ اختلاف جو اسلام کے بنیادی عقائد اور مسلمہ و منصوص مسائل میں ہو اور ان میں اختلاف، شریعت و سنت کی شاہراہ سے ہٹا کر انسان کو بدعات و خرافات اور گمراہیوں

کی طرف لے جا تا ہے ، جیسے قادیانی فرقہ کا اختلاف ۔ظاہر ہے کہ اس فرقہ کا اختلاف معمولی اور جزوی وفروعی اختلاف نہیں ہے بلکہ اتنا سخت اختلاف ہے کہ اس اختلاف کی بنا پر اس کا رشتہ اسلام سے یکسر کٹ جاتا اور ختم ہو جاتا ہے ۔کیوں کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین و آخر النبیین ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا باب کلیۃً مسدود و بند کر دیا۔لیکن قادیانی فرقہ اس مسئلہ اور بنیادی عقیدہ کے خلاف پنجاب کے کذّاب ودجّال ایک جھوٹے دعویدار نبوت کو نبی مانتا ہے۔لہٰذا یہ اختلاف معمولی اختلاف نہیں ۔اسی طرح شیعہ کا اختلاف بھی بنیادی عقائد اور مسلمہ مسائل میں اختلاف ہے اسی طرح بعض لوگوں کا حضرت نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء اور اولیاء کو عالم الغیب وحاضر وناظر اور مشکل کشا وغیرہ ماننا، اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے، اسی طرح اسلام میں نئی نئی باتوں کو پیدا کرنا اور دین کے نام پر رواج دینا اور ان بدعات وخرافات کے لیے آیات واحادیث میں بے جا تاویل بلکہ تحریف سے کام لینا بھی اختلاف کی اسی قسم میں سے ہے جو انسان کو سنت وشریعت کی شاہراہ سے ہٹا دیتا ہے، اس لیے اس قسم کا اختلاف شرعاً مذموم وممنوع ہے اور اس قسم کے اختلاف پر حدیث میں سخت وعید بھی آئی ہے۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں ہوتا ہے اور ایسا اختلاف صدرِ اول صحابہ کے زمانے سے برابر چلا آ رہا ہے، بلکہ اس قسم کا اختلاف خود دور رسالت میں بھی حضرات صحابہ کے درمیان ہوا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے اختلاف کی دونوں جہتوں کی تصویب فرمائی ہے (اس کی تفصیل آگے آئے گی) کیونکہ خود دلائل میں دونوں جہتوں اور شقوں کی گنجائش ہوتی ہے ایک بات

منصوص اور فیصل نہیں ہوتی ،ایسے اختلاف کو اجتہادی وفروعی اختلاف کہا جاتا ہے یہ اختلاف نہ مذموم ہے نہ ممنوع ہے بلکہ یہ فطری وطبعی ہونے کے ساتھ باعث رحمت بھی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

فروعی اختلاف مذموم نہیں:

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان دونوں قسم کے اختلاف کا حکم و درجہ یکساں نہیں ہے بلکہ دونوں کے درجہ میں ایسا ہی فرق ہے جیسے زمین و آسمان میں اور حق و باطل میں اور حرام وحلال میں ہے۔مگر بعض لوگ اس فرق کو نظرانداز کر کے دونوں اختلافات کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں اور دونوں کو مذموم وحرام قرار دیتے ہیں اور ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو اختلاف کی قسم اول کے متعلق وارد ہوئی ہیں ۔مگر ظاہر ہے کہ ان آیات و احادیث سے صرف اس اختلاف کی مذمت و برائی ثابت ہوتی ہے جو بغیر دلیل شرعی نفسانیت وشرارت سے کیا جائے اور بنیادی ومسلمہ عقائد ومسائل میں ہو لیکن دوسری قسم کا اختلاف جو دلائل کی روشنی میں کیا جائے ۔اور اجتہادی وفروعی مسائل میں ہو ان سے اس کا مذموم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر قرآن میں متعدد جگہ فرمایا کہ آپس میں اختلاف نہ کرو (آل عمران:۱۰۳)

ایک جگہ فرمایا کہ ’’تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے اختلاف کیا اور متفرق ہو گئے (آل عمران: ۱۰۵)

ان آیات میں جس اختلاف سے ممانعت کی گئی ہے وہ وہ اختلاف ہے جو کفاّر کی طرح عقائد ومسلمات میں کیا جائے جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا یا کم از کم سنت کی شاہراہ سے ہٹ کر بدعت کی گمراہی میں ملوث ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں سے آل عمران کی آیت ۱۰۳ کی تفسیر میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا جونا گڑھی کے ترجمۂ قرآن پر حواشی میں مولانا صلاح الدّین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

"وَلَاتَفَرَّقُوا" اور پھوٹ نہ ڈالو' کے ذریعہ فرقہ بندی سے روک دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مذکورہ دو اصولوں (تقوی اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا) سے انحراف کروگے تو تمہارے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور تم الگ الگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے، چنانچہ فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجئے، یہی چیز نمایاں ہوکر سامنے آئیگی قرآن وحدیث کے فہم اور اسکی توضیح وتعبیر میں کچھ باہم اختلاف یہ فرقہ بندی کا سبب نہیں ہے، یہ اختلاف تو صحابہ وتابعین کے عہد میں بھی تھا لیکن مسلمان فرقوں اور گرہوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔

مذکورہ تشریح سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کے فہم اور تشریح وتوضیح اور تفسیر وتعبیر میں صحابہ میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ اور ایسا اختلاف گروہ بندی وفرقہ بندی کا سبب بھی نہیں جس سے قرآن نے روکا ہے۔ ہاں جنہوں نے ان اختلافات فرعیہ کی بنیاد پر فرقہ بندیاں کیں ہیں وہ ضرور ماخوذ ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اجتہادی مسائل کا اختلاف ان آیات میں مراد نہیں ہے بلکہ ان سے مراد پہلی قسم کا اختلاف ہے۔

اسی طرح حدیث میں جس اختلاف وافتراق سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد بھی یہی پہلی قسم کا اختلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمت تہتر ۷۳ فرقوں میں

بٹ جائے گی اور یہ سارے فرقے دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ وہ ایک فرقہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جو اس طریقہ پر قائم ہو جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔''(۱)

اس حدیث میں جو اُمت کے اختلاف وافتراق کا ذکر کر کے سارے فرقوں کو جہنمی اور صرف ایک فرقہ کو جنتی قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی یہ مسائل کا اختلاف مراد نہیں ہے، بلکہ عقائد و اصول میں اختلاف مراد ہے، بعض لوگ اس حدیث کو پیش کر کے ان فرقوں سے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکاتب فکر مراد لیتے اور ان مکاتب فکر کے لوگوں کو نعوذ باللہ جہنمی قرار دیتے ہیں، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، اس حدیث سے یہ اختلاف ہرگز مراد نہیں، چنانچہ اہل حدیث کے مشہور عالم علامہ عبید اللہ مبارکپوریؒ نے مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:

''حدیث میں افتراق سے مراد مطلق افتراق نہیں ہے کہ اس میں وہ اختلاف بھی داخل ہو جائے جو فروعی مسائل میں خلفاء راشدین پھر دیگر صحابہ پھر تابعین پھر ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں واقع ہوا بلکہ مراد اس سے ایک خاص اختلاف وافتراق ہے، اور وہ اختلاف وتفرق ہے جس سے پارٹیاں اور جماعتیں بن گئیں اور بعض نے بعض سے جدائی اختیار کی جو آپسی محبت والفت اور تعاون وتناصر پر قائم نہیں ہیں، بلکہ اس کی ضد یعنی ہجر، قطع تعلق عداوت اور بغض اور ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر و تفسیق پر قائم ہیں (پھر فرمایا کہ) کہا گیا ہے کہ اس اختلاف سے مراد اصول اور عقائد میں بدعتیں پیدا کرنا ہے۔ نہ کہ فروعات اور عملیات میں الخ۔''(۲)

علامہ عبید اللہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں وہ

(۱) ترمذی: ۹۲/۲ مشکوۃ: ۳۰ (۲) مرعاۃ المفاتیح: ۱۷۰/۱-۱۷۱

اختلاف مراد نہیں ہے جو فروعی و اجتہادی مسائل میں صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین جیسے امام شافعی و امام مالک و امام ابوحنیفہ و امام احمد و امام اوزاعی و امام سفیان ثوری وغیرہ کے زمانوں میں واقع ہوا۔

الغرض آیات و احادیث میں جس اختلاف کی مذمت و برائی آئی ہے، اس سے پہلی قسم کا اختلاف مراد ہے یا اس سے مراد گروہ بندی و پارٹی بازی ہے۔ جس کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق و تضلیل کی جائے، اور ان جزوی مسائل کی بنا پر حسد و بغض رکھا جائے، یہ بلا شبہ سخت قبیح چیز ہے رہا فروعی مسائل میں آراء کا اختلاف جو قرآن و حدیث کے فہم اور ان کی تعبیر و تشریح میں تفاوت کی بنا پر واقع ہوا وہ نہ قرآن و حدیث میں مذموم ٹھہرایا گیا نہ ممنوع قرار دیا گیا۔

صحابہ میں اختلافِ مسائل کی مثالیں:

بلکہ ایسا اختلاف تو صحابہ کے درمیان بھی پیش آیا، اور جناب رسالت مآب ﷺ نے اس اختلاف آراء کو مذموم نہیں ٹھہرایا بلکہ دونوں جہتوں کی تحسین و تصویب فرمائی یہاں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ دو اشخاص نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر ان کو پانی مل گیا، جب کہ ابھی اس نماز کا وقت باقی تھا، تو ایک صاحب نے پانی سے وضو کرکے وہ نماز دہرائی اور دوسرے صاحب نے نماز نہیں دہرائی پھر (جب اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو) آپ سے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے نماز نہ دہرانے والے صحابی سے فرمایا کہ تم نے سنت کے موافق کیا اور دوسرے صحابی سے فرمایا کہ تم کو پورا ثواب (دونوں نمازوں کا) ملا۔ (۱)

(۱) نسائی: ۱/۷۵

اس حدیث میں غور فرمایئے کہ نماز کے وقت پانی نہ ملا تو دو صحابہ نے حسبِ حکم شرع تیمّم کر کے نماز پڑھ لی، نماز کے بعد وقت کے اندر اندر ان حضرات کو پانی مل گیا تو ان میں اختلاف ہو گیا، ایک صحابی نے سمجھا کہ چونکہ وقت کے اندر پانی مل گیا ہے، لہٰذا تیمّم سے ادا کی ہوئی نماز باطل ہو گئی، دوبارہ پڑھنا چاہیئے دوسرے صحابی نے سمجھا کہ جب نماز پڑھ چکے تو اب پانی ملنے سے اس پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے نہیں دہرائی اس اختلاف رائے کو اللہ کے نبی ﷺ نے بُرا نہیں سمجھا بلکہ دونوں کی تصویب کی، البتہ ایک کے اجتہاد کو موافق سنت قرار دیا اور دوسرے کو بُرا نہیں کہا بلکہ فرمایا کہ دونوں نمازوں کا ثواب تم کو مل گیا۔

(۲) امام بخاریؒ نے اپنی سند سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب کے دن صحابہ سے فرمایا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے اور بعض صحابہ کو راستہ میں ہی عصر کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک کہ اس جگہ (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں اور بعض نے کہا کہ ہم تو نماز (راستہ میں ہی) پڑھیں گے، کیونکہ حضور ﷺ کا منشاء یہ نہیں تھا (کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی راستہ میں نماز نہ پڑھو، بلکہ آپ کا منشاء یہ تھا کہ عصر کا وقت ہونے سے پہلے اس جگہ پہنچنے کے لیے جلدی کریں) پھر یہ اختلاف نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا مگر آپ نے کسی کو بھی بُرا نہیں فرمایا۔(۱) اور مسلم میں اس واقعہ میں عصر کے بجائے ظہر کا ذکر ہے۔(۲)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کرنے والے کو (کسی بھی صورت میں) گناہ نہیں' کیونکہ حضور ﷺ نے صحابہ کی

---

(۱) بخاری: ۵۹۱/۲ (۲) مسلم: ۳۳۱۷

دونوں جماعتوں میں سے کسی پر بھی زجر وتو بیخ نہیں فرمائی ۔اگر یہاں کوئی گناہ کی بات ہوتی تو گناہگار پر عتاب فرماتے ۔(۱)

معلوم ہوا کہ اجتہادی فروعی مسائل میں اختلاف کوئی مذموم چیز نہیں۔ بلکہ شرعاً اس کی پوری طرح گنجائش ہے۔

نیز بڑے بڑے صحابہ میں متعدد مسائل میں اختلاف رہا ہے۔مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کا مسلک یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے' اور وہ اس پر حضور ﷺ سے حدیث بھی بیان فرماتے ہیں' مگر جمہورِ صحابہ وتابعین اس کے قائل نہیں تھے ۔امام ترمذی حضرت ابو ہریرہ سے اس سلسلہ کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

بعض اہل علم آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو (واجب ہونے) کے قائل ہیں مگر اکثر اہل علم صحابہ وتابعین میں سے اس کے ترک پر ہیں یعنی آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو کے قائل نہیں ۔(۲)

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟اس میں بھی صحابہ میں اختلاف تھا۔حضرت براء بن عازب' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت جابر بن سمرۃ وضو ٹوٹ جانے کے قائل تھے جبکہ دوسرے صحابہ جیسے حضرت عمر' حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی' حضرت سُوید بن غفلۃ اس کے خلاف نہ ٹوٹنے کے قائل تھے۔(۳)

حضرت عمر، بغلوں کے بال کی صفائی کے بعد وضو کو ضروری قرار دیتے تھے اور ابنِ عباسؓ اس کے قائل نہ تھے اور عبداللہ بن عمر بغل کے بالوں کی صفائی کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔(۴)

(۱) فتح الباری: ۷/۴۱۰ (۲) ترمذی: ۱/۲۴ (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۶۳۔۶۴ (۴) ابن شیبہ: ۱/۷۰

گویا صحابہ میں اس مسئلہ میں تین مسلک تھے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن کے پیش کرنے سے مقصود صرف نمونہ دکھانا ہے۔ استقصاء واحاطہ پیش نظر نہیں ہے۔ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ صحابہ میں سینکڑوں مسائل میں اختلاف رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا اختلاف جو فروعی مسائل میں ہوتا ہے، قابل ملامت و مذمت نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔ ورنہ حضور ﷺ اور صحابہ کبھی اس کو روا نہ رکھتے۔

اختلاف کیوں اور کیسے پیدا ہوا؟

حضراتِ صحابہ وتابعین یا بعد کے ائمہ میں جو مختلف فروعی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اس کی وجہ و بنیاد نعوذ باللہ یہ نہیں کہ ان میں ایک قرآن وحدیث کو مانتا تھا اور دوسرا قرآن وحدیث کو نہیں مانتا تھا اور محض نفسانیت وشرارت اور اپنی عقل وفہم کی بنا پر مسائل بیان کرتا تھا، ایسا سمجھنا انتہائی غلط اور صحابہ وائمہ دین سے سوءظنی وبدگمانی کی بد ترین قسم ہے، بلکہ اس اختلاف کی وجہ و بنیاد ایک دوسری ہی بات ہے، اور وہ یہ کہ بعض آیات اور احادیث میں مراد ومطلب صریح و واضح نہیں ہوتا، بلکہ اس میں متعدد احتمالات کی گنجائش ہوتی ہے، اور ایک شخص اس کے ایک معنی لے لیتا ہے اور دوسرا دوسرے معنی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیات واحادیث میں بظاہر تعارض وٹکراؤ معلوم ہوتا ہے اور یہ واضح ومسلم ہے کہ اللہ ورسول کے کلام میں تعارض نہیں ہوسکتا لہٰذا علماء وائمہ اس تعارض کو دور کرنے کے لیے کبھی تطبیق سے اور کبھی ترجیح سے کام لیتے ہیں۔ اب علماء میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے، کوئی تطبیق کی راہ اختیار کرتا ہے اور کوئی ترجیح پر چلتا ہے۔ پھر تطبیق کی بھی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں کوئی کسی صورت کو اختیار کرتا ہے، کوئی دوسری صورت کو لیتا ہے۔ نیز کبھی اختلاف اس

لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ احادیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں محدثین میں اختلاف ہوتا ہے کیونکہ حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا بھی ایک اجتہادی کام ہے۔ لہٰذا ایک محدث ایک حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے، مگر دوسرے محدث کے پاس وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے پھر اسی پر علماء وائمہ میں مسائل میں اختلاف ہو جاتا ہے، ایک فقیہ اس حدیث کو صحیح قرار دے کر لے لیتا ہے اور عمل کرتا ہے اور دوسرا فقیہ اس پر عمل نہیں کرتا اور اس کو ضعیف قرار دیتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک وہ ضعیف ہوتی ہے اس طرح ائمہ بلکہ صحابہ میں اختلاف رونما ہوا اور اس کو شرعاً گوارا کیا گیا، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔

اختلافِ ائمہ کی پہلی وجہ:

اب میں اوپر کے اجمال کی مختصر سی تفصیل وتشریح بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ بات واضح ہو جائے اور لوگوں کے دلوں سے خلش و پریشانی دور ہو جائے، کیونکہ آج ایک طبقہ اُمت میں ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو ائمہ کے ان اختلافات کو اس طرح پیش کرتا ہے گویا کہ ان ائمہ نے قرآن وحدیث کو یک لخت چھوڑ دیا اور محض نفسانیت وشرارت سے من مانی باتیں بیان کر دیں اور ان ائمہ کے ماننے والے بھی نہ قرآن کو مانتے ہیں نہ حدیث کو مانتے ہیں، بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ان ائمہ کی بات کو مان کر گویا کفر وشرک کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فکر اور سوچنے کا انداز غیر محققانہ، نہایت درجہ سطحی اور حق سے یکسر بعید ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اختلاف کیونکر پیدا ہوا، کیا اس کا منشاء نفسانیت اور قرآن وحدیث کی مخالفت تھی یا کچھ اور؟

اوپر میں نے پہلی وجہِ اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ بعض آیات واحادیث کے معانی ومرادات واضح وصریح نہیں ہوتے، بلکہ مختلف احتمالات کی ان

میں گنجائش ہوتی ہے اس لیے ائمہ وصحابہ میں اختلاف ہوجاتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہدیا کہ تو میرے لیے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ یعنی تو مجھ پر حرام ہے، اس کے کہنے سے بیوی پر طلاق تو نہیں پڑتی، مگر یہ ایک درجہ میں قسم کی طرح ہے، قرآن کریم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ ایسے شخص پر ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے (**فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ**) (**مجادلہ:۳**) اتنی بات تو قرآن کریم میں صاف ہے، لہٰذا اس میں کسی کا اختلاف نہیں، لیکن قرآن کریم میں یہ بات نہیں بتائی گئی کہ یہ غلام جس کو آزاد کیا جانا ہے، اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا کسی کافر غلام کو بھی آزاد کردینے سے یہ کفّارہ ادا ہوجاتا ہے؟ لہٰذا اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غلام مسلمان ہونا چاہیئے کیونکہ قرآن نے قتل خطا کے کفارہ میں غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیتے ہوئے مومن ہونے کی بھی قید لگائی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی وہی حکم ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفارۂ ظہار میں مومن غلام کی قید نہیں ہے لہٰذا کافر ہو یا مومن کسی بھی غلام کا آزاد کردینا کافی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اختلاف قرآن کی ایک آیت میں مراد کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا، اور ہر امام نے اپنا نظریہ اس گنجائش سے اخذ کیا جو آیت کے الفاظ میں رکھی ہوئی ہے۔ یہاں نہ امام ابوحنیفہ کو آیت کا مخالف کہا جائے گا نہ امام شافعی کو، بلکہ دونوں حضرات نے قرآن کریم ہی کو اپنا رہبر و قائد بنا کر اجتہادی عمل سے مراد خداوندی کو اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اب ایک مثال حدیث پاک سے بھی سن لیجئے۔ ”مسلم شریف میں حدیث آئی ہے کہ احرام والا، نکاح نہ کرے۔ (۱)

---

(۱) مسلم: ۱/۴۵۳

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ احرام مین نکاح کرنا جائز نہیں، چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ مگر اس حدیث میں جو لفظ نکاح آیا ہے لغت کے اعتبار سے اس کا معنے جماع ہے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حالتِ احرام میں جماع سے منع کیا گیا ہے، عقدِ نکاح سے نہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح فرمایا۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس کام سے حضور ﷺ نے منع فرمایا، آپ خود وہ کام کیسے کر سکتے ہیں؟ لامحالہ پہلی حدیث میں نکاح سے مراد جماع ہے جو کہ اس کا لغوی معنی ہے۔

اب غور کیجئے کہ اس اختلاف میں بھی نہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کو چھوڑا، نہ امام شافعیؒ نے حدیث کو ترک کیا، بلکہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے اس کا ایک ایک محمل و معنی لے لیا اور اس کی پوری گنجائش لفظ حدیث میں پائی جاتی ہے۔

اختلاف کی دوسری وجہ:

اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی آیت و حدیث میں یا متعدد آیات میں یا متعدد احادیث میں بظاہر اختلاف و تعارض نظر آتا ہے۔ اور یہ واضح و مسلم ہے کہ اللہ و رسول کے کلام میں فی الواقع کوئی تعارض نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ائمہ و علماء دفع تعارض کی مختلف صورتیں اختیار کرتے ہیں جس سے علماء کی آراء میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں فرمایا گیا:

---

(۱) اس کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے، بخاری: ۲۴۸/۱، مسلم: ۴۵۴/۱، ترمذی: ۱۷۲/۱، ابوداؤد: ۲۵۵/۱، نسائی: ۲۶/۲، ابن ماجہ: ۱۴۱

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو سنو اور خاموش رہو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے)(سورۂ اعراف:۲۰۴)

اس آیت کے بارے میں اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ نماز و خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب نماز میں یا خطبہ میں قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سننا چاہیئے، صحابہ میں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابن عباس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔(۱)

اور علامہ ابن تیمیہ نے امام احمد بن حنبل سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔(۲)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو سب کو خاموش رہ کر سننا چاہیئے۔ مگر ایک حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ:

(لاَصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ)

(جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی)(۲)

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی، خود نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو، اگر حدیث کے اس ظاہری مفہوم پر عمل کریں گے تو قرآن کے خلاف کرنا لازم آئے گا اس لیے کہ قرآن کی آیت نماز میں قرآن پڑھے جانے کے وقت میں خاموش رہ کر سننے کی تاکید کرتی ہے اگر مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے گا تو اس آیت کی خلاف ورزی ہوگی۔

---

(۱) ابن کثیر: ۲/۲۸۰-۲۸۱ (۲) فتاوی ابن تیمیہ: ۲۲/ ۲۹۵

بخاری: ۱/۱۰۴، مسلم: ۱/۱۶۹، ترمذی: ۱/۵۷، ابوداؤد: ۱/۱۱۸، نسائی: ۱/۱۴۵، ابن ماجہ: ۶۰

اب علماء وائمہ کرام نے اس تعارض کو دور کرنے کے لیے مختلف صورتیں اختیار فرمائی ہیں، بعض ائمہ نے فرمایا کہ آیت میں قرآن سے مراد سورۂ فاتحہ سے زائد کچھ پڑھنا ہے۔لہٰذا مقتدی سورۂ فاتحہ تو پڑھ سکتا ہے۔ بلکہ حدیث کی وجہ سے ضرور پڑھنا چاہیئے ۔مگر سورۂ فاتحہ سے زائد کوئی اور آیت وسورۃ نہیں پڑھ سکتا۔یہی امام شافعی کا مسلک ہے اور بعض ائمہ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں نماز سے مراد امام ومنفرد کی نماز ہے، مقتدی کی نماز نہیں ، کیونکہ قرآن نے مطلقاً اس بات کا حکم کر دیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو اور سنو۔لہٰذا سورۂ فاتحہ پڑھا جائے یا اور کوئی سورۃ پڑھی جائے ، بہرصورت مقتدی کو پڑھنا نہ چاہیئے اور حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے کیونکہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کا امام ہو پس امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔(۱)

نیز ترمذی نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ نماز نہیں ہوتی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو تو ہو جاتی ہے۔(۲)

اب غور کیجئے کہ آیت وحدیث کے ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لیے بعض ائمہ نے قرآن کی آیت سے سورۂ فاتحہ کا استثناء کیا اور آیت میں تاویل کی اور بعض ائمہ نے اس کے برخلاف حدیث کو امام ومنفرد کے ساتھ خاص کر کے آیت کو اپنے ظاہر پر رکھا، نہ پہلے طبقہ نے قرآن وحدیث کے خلاف کیا نہ دوسرے طبقہ نے ، بلکہ دونوں مکاتب فکر کے ائمہ نے قرآن وحدیث ہی پر عمل کی راہ نکالی،لہٰذا جو لوگ امام کے پیچھے مقتدی کو پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں وہ بھی اپنے اجتہاد کی رو سے حق پر ہیں اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں وہ بھی حق پر ہیں،اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ

---

(۱)ابن ماجہ:۶۱،موطاء محمد:۹۷،طحاوی:۱/۱۲۸،دار قطنی :۱/۳۲۳،ابن ابی شیبہ:۱/۴۱۴وغیرہ

(۲)ترمذی: حدیث حسن صحیح:۱/۱۷

بخاری ومسلم کی حدیث دکھا دکھا کر حنفیہ کی نماز کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی نماز نہیں ہوئی اور یہ کہ یہ لوگ بخاری کی حدیث کونہیں مانتے ، یہ انتہائی غلط و باطل بات کہتے ہیں، کیونکہ حنفی بھی اس حدیث کو مانتے ہیں، ہاں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام ومنفرد کی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی جیسے دوسرے لوگ قرآن کی آیت میں تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت میں قرآن سے مراد، سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ اور پڑھنا ہے تو کیا کوئی ان لوگوں کو قرآن کا مخالف کہہ سکتا ہے؟ جب آیت میں تاویل کرنا ،قرآن کی خلاف ورزی نہیں تو آیت پر عمل کے لیے حدیث میں حدیث ہی کی روشنی میں تاویل کرنا، حدیث کی خلاف ورزی کیونکر ہوگئی؟

اختلاف کی تیسری وجہ:

ائمہ میں اختلاف اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ ایک امام نے ایک حدیث کو صحیح و معتبر سمجھا اور دوسرے امام نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا اور دوسری حدیث سے دوسری بات اخذ کی ، کیونکہ حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینا بھی ایک اجتہادی عمل ہے جس میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے اور ہوا ہے، بہت سی حدیثیں امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہیں مگر امام مسلم ان کو معتبر قرار دیتے ہیں، مثال کے طور پر نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ سینہ پر یا ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے، اس سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان میں ، کوئی روایت بھی ایسی نہیں جو بے غبار ہو۔ مثلاً سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی ، آپ نے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ سینہ پر رکھا۔(۱)

مگر یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی مؤمّل بن اسماعیل کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لہٰذا احناف اس پر عمل نہیں کرتے اور اس کے مقابلے میں حضرت علی کی ایک حدیث ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ثابت ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جائے۔(۲)

(۱) صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۳/۱ (۲) ابن ابی شیبہ: ۳۹۱/۱، دارقطنی ۲۸۶/۱

اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمان بن اسحاق واسطی کو بھی اکثر محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں، مگر امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث کو حسن قرار دیا اور امام حاکم نے ان کی ایک حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

لہٰذا احناف اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

یہاں وہی بات ہے کہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ روایات کے صحیح وضعیف ہونے میں اختلاف ہے، لہٰذا جس کو جو اقرب الی الصحت نظر آئے، اس پر عمل کرے نہ الزام نہ اعتراض، اس کے برخلاف جو لوگ اپنی ہی بات کو صحیح اور دوسروں کو غلط ٹھہراتے ہیں وہ یقیناً جادۂ اعتدال سے دور ہیں۔

اوپر پیش کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ فروعی وجزوی مسائل میں علماء وائمہ کا اختلاف ایک فطری اختلاف ہے جس کی بنیاد نہ نفسانیت ہے نہ جہالت، بلکہ اس کی مختلف دیگر ایسی بنیادیں اور وجوہات ہیں جو ایسے اختلاف کے لیے شرعی جواز فراہم کرتی ہیں۔ جیسا کہ اوپر حوالے نقل کئے جا چکے ہیں، ہاں یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اختلاف کی جو تین وجوہات بیان کی گئیں، یہ بطور تمثیل بیان کی گئی ہیں ورنہ اختلاف کی اور بھی وجوہات ہیں مگر یہاں سب کا احاطہ مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانے کے لیے کہ اختلاف کیوں پیدا ہوا، یہ چند امور بیان کئے گئے ہیں۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی بھی امام ومجتہد قرآن وحدیث کا مخالف نہیں ہوا بلکہ سب ائمہ وعلماء نے قرآن وحدیث کے منشاء ہی کی تلاش وجستجو کو اپنا مطمح نظر اور مقصدِ زندگی بنا کر اجتہادی قوت ونور بصیرت کا استعمال فرمایا ہے۔

---

(۱) القول المسدد: ۳۵

تین وضاحتیں:

ان تفصیلات سے تین باتیں واضح ہوگئیں ایک تو یہ کہ اجتہادی فروعی مسائل میں اختلاف آج کی کوئی نئی ایجاد نہیں ہے، بلکہ یہ اختلاف زمانۂ قدیم سے چلا آرہاہے اور حضرات صحابہ وتابعین کے مقدس دور میں بھی ہوا اور رہاہے، اور وہی اختلاف پھر بعد کے دوروں اور زمانوں میں منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچاہے۔ دوسری یہ کہ اس اختلاف کی بنیاد نفسانیت وقرآن وحدیث کی مخالفت نہیں بلکہ قرآن وحدیث ہی کے منشاء ومراد کو پانے کی خاطر بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے بالکل فطری وطبعی طور پر واقع ہواہے، تمام ائمہ وعلماء کی یہ اجتہادی خدمات، اخلاص ونیک نیتی، اوراہل دین سے خیرخواہی وہمدردی کی بنیاد پر واقع ہوئی ہیں جس پر ان سب کو ہرصورت میں اجر یقینی ہے، اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس قسم کے اختلاف کی شریعت میں اجازت دی گئی ہےاوراس پرکوئی ملامت ومذمت نہیں کی گئی ہےاور جس اختلاف وافتراق کی مذمت وبرائی قرآن وحدیث میں آئی ہے اس سے مراد اعتقادیات اور دین کے بنیادی مسائل میں اختلاف ہے یا وہ اختلاف جو نصوص کے خلاف نفسانیت وشرارت سے کیا جائے۔

اختلاف میں اتفاق کا مظاہرہ:

ان ساری گذارشات کا منشاء یہ ہے کہ ان فروعی اختلافات کو بالکل اہمیت نہ دینا چاہیئے، اور اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے عداوت ودشمنی یا ایک دوسرے پر ملامت ومذمت کا رویہ اختیار نہ کرنا چاہیئے، بلکہ تمام ائمہ وعلماء کا احترام اور عظمت کرنا چاہیئے، اور ان سے محبت والفت کا طریق اپنانا چاہیئے، چنانچہ سلفِ صالحین کے یہاں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔

حضرت امام قدوری حنفیؒ ، فقہ حنفی کے مایۂ ناز عالم وفقیہ تھے ، جن کی مختصر القدوری نامی کتاب ، فقہ حنفیہ کا مستند متن مانی جاتی ہے، انہی کے زمانہ میں امام ابو حامد اسفرائنی ، فقہ شافعی کے مشہور شارح تھے اور دونوں حضرات کے مابین بہت سارے مسائل میں اختلاف ومناظرہ رہتا تھا، مگر اس کے باوجود ابن خلکان نے لکھا ہے کہ امام قدوری ، امام اسفرائنی کی بے حد تعظیم کرتے تھے ۔(۱)

اسی طرح فقیہ عماد الدین شافعی اور قاضی ابو طالب حنفی کے درمیان بہت سے اختلافات تھے ۔ جب عماد الدین شافعی کا انتقال ہوا تو قاضی ابو طالب حنفی نے ان کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر بڑے حسرت آمیز لہجہ میں یہ شعر پڑھا کہ:

عقم النِّساء فلاتلدن شبیهه　　ان النِّســاء بمثلــه عقــم

(ترجمہ عورتیں بانجھ ہو گئیں ، پس ان (عماد الدین) جیسا وہ نہ جن سکیں گی کیونکہ عورتیں ان جیسے کے جننے سے بانجھ ہیں)

غور کیجئے کہ ایک طرف ان سے مسائل میں اختلاف بھی ہے اور دوسری طرف ان کی عظمت شان کا برملا اعتراف بھی ہے اور ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جس کسی سے کسی سلسلہ میں چھوٹا یا بڑا اختلاف ہوا تو اس کی کسی خوبی وکمال کا اعتراف تو کیا کرتے ، بلکہ اور اس کی ہجو اور مذمت کے درپے ہو جاتے ہیں ۔

کون نہیں جانتا کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ دونوں جلیل القدر فقیہ و مجتہد ہونے کے باوجود بے شمار مسائل میں اختلاف رکھتے تھے ، امام ذہبی نے اشھب بن عبد العزیز سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو امام مالک کے سامنے اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا جیسے بچہ باپ کے سامنے بیٹھتا ہے ، امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ امام ابو حنیفہ کے حسن ادب اور ان کی تواضع پر دلالت کرتا ہے حالانکہ وہ امام مالک سے تیرہ برس عمر میں بڑے تھے ۔(۲)

(۱) ابن خلکان : ۱/۲۰ (۲) تذکرۃ الحفاظ : ۱/۲۰۹

اگر چہ اہل سیر و تاریخ کو اس واقعہ کی صحت میں اشکال ہے کیونکہ اس کے راوی اشھب، امام ابوحنیفہ کی وفات کے وقت پانچ برس کے تھے تو ان کی یہ روایت مخدوش معلوم ہوتی ہے، تاہم اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے ائمہ سلف کا ادب اور آپسی تعلقات کی خوش گواری کا علم ہوتا ہے، ایک طرف امام ابوحنیفہ کا امام مالک کے ساتھ یہ ادب و تعظیم کا برتاؤ تھا اور دوسری طرف امام مالکؒ امام ابوحنیفہ کی مدح و تعریف اور ان کی عقل و فہم اور دور بینی و دور اندیشی کی توثیق و تصدیق فرماتے تھے۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں میں نے ایسے شخص کو دیکھا کہ اگر وہ اس ستون کے بارے میں تجھ سے گفتگو کرے کہ وہ اس ستون کو سونے کا ثابت کریگا تو ضرور اس پر دلیل قائم کردیگا۔(۱)

پھر ان بزرگوں سے بھی اوپر حضرات صحابہ کو دیکھئے، وہاں بھی اختلاف کے باوجود، محبت و عظمت کا یہی نقشہ نظر آئے گا۔

✿ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ:

مثالیں تو ہزاروں دی جاسکتی ہیں، مگر انصاف پسند کے لیے ایک بھی کافی ہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں، اور ایک مسئلہ میں نظریاتی اختلاف نے ان دونوں کو جنگ و حرب پر بھی آمادہ کردیا، چنانچہ جنگ بھی ہوئی اور بہت سے مسلمان اس جنگ میں کام آئے، مگر اتنے شدید اختلاف کے باوجود، حضرت علی کے بارے میں حضرت امیر معاویہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ:

علی مجھ سے بہتر اور افضل ہیں اور میرا اختلاف ان سے صرف حضرت

---

(۱) مقدمۂ اعلاء السنن: ۱/۲۰۰

عثمانؓ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے، اگر وہ خون عثمان کا قصاص (بدلہ) لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہوں گا۔(۱)

نیز روایت ہے کہ جب ان حضرات کے درمیان جنگ کا میدان گرم تھا روم کے عیسائی بادشاہ کی طرف سے حضرت معاویہ کے نام خط آیا جس میں عیسائی بادشاہ نے لکھا تھا کہ معلوم ہوا کہ تم کو حضرت علی کی طرف سے پریشانی ہے، میں تمہاری مدد کے لیے فوج بھیج دوں؟

حضرت امیر معاویہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

''اے نصرانی کتے! میرے اور علی کے درمیان جو اختلاف ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، یادرکھ کہ اگر تو نے حضرت علی کی طرف ترچھی نگاہ بھی اٹھائی تو سب سے پہلے علی کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑنے والا معاویہ ہوگا۔''(۲)

آمدم برسر مطلب:

غور کیجئے کیا ہم لوگ بھی اختلاف کے باوجود عظمت ومحبت کا یہی نقشہ پیش کرتے ہیں؟ افسوس کہ آج ہم اپنے ان جزوی اختلافات میں الجھ کر اپنی بڑی بڑی اور اہم ذمہ داریوں سے غافل ہو چکے ہیں اور یہ تک نہیں سوچتے کہ اس سے غیر اقوام فائدہ اٹھائیں گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ اختلاف نہ نیا ہے نہ بُرا، البتہ ہمارا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا، ایک دوسرے کی توہین کرنا اور دوسروں کو الزام و بہتان لگا کر بدنام کرنا، ضرور بالضرور بُرا ہے اور اسی سے ہم کو منع کیا گیا، جیسے بعض لوگ حنفی لوگوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور ان کی نماز کو باطل کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ کی توہین کرتے ہیں اور فقہ حنفی کے خلاف کتابیں ورسائل چھاپ چھاپ کر تقسیم کرتے ہیں اور اپنی

(۱) البدایہ:۲/۲۵۹ (۲) حدود اختلاف:۱۰، بحوالہ تاج العروس:۱/۳۰۸

رائے سے حدیث کا مفہوم گھڑ کر ائمہ کو حدیث کا مخالف کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں جہالت کی ہیں، علم و عقل سے دور کا بھی ان کو واسطہ نہیں۔

غیر مقلدین کے دعویٰ ''عمل بالحدیث'' پر ایک نظر

غیر مقلدین کا دعوی ہے کہ وہ صرف صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سارے تو بطور خاص بخاری و مسلم ہی پر عمل کے مدعی ہیں اور دوسرے لوگوں سے بھی ان کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بخاری شریف یا مسلم شریف سے حدیث پیش کرو۔ نیز یہ لوگ حنفی لوگوں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیثوں پر عمل نہیں کرتے، یہ لوگ رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ بعض مسئلوں میں عوام کو بخاری و مسلم کی حدیث دکھا کر کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیثیں ہیں، حنفی ان پر عمل نہ کر کے اپنی نمازوں کو برباد کر رہے ہیں، اس جگہ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اور دیگر کتب حدیث کی کتنی صحیح حدیثیں ہیں جن کو یہ غیر مقلد ٹھکراتے ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔

(۱) امام مسلمؒ نے حدیث روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو ''وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا''(۱)

امام مسلم نے مسلم شریف میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ابن حزم ظاہری نے بھی اس کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (۲)

اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ نسائی، ابن ماجہ، احمد وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (۳) یہ روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری و حضرت ابو ہریرہ دونوں سے روایت کی گئی ہے۔

---

(۱) مسلم ۱/۱۷۴ (۲) محلی: ۲/۲۷۰ (۳) نسائی: ۱/۱۴۶، ابن ماجہ: ۱/۶۱، احمد: ۱۶/۵۵ و ۱۷/۵۲

اس صحیح حدیث پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری وفرض ہے۔ بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی، حالانکہ کسی بھی صحیح حدیث میں مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو ضروری نہیں بتایا گیا ہے اور جس حدیث کا یہ حوالہ دیتے ہیں یعنی یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی'' یہ حدیث تو مقتدی کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ مقتدی کے بارے میں اوپر کی حدیث نے بتایا کہ اس کو خاموش رہنا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا تعلق مقتدی سے نہیں ہوگا بلکہ ان سے ہوگا جن کے ذمہ قرأت ہے اور وہ امام ہے یا تنہا نماز پڑھنے والا۔

اس صاف وصریح صحیح حدیث کا انکار کرتے ہوئے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا ہر حال میں فرض ہے، حالانکہ علامہ ابن تیمیہؒ کی تصریح کے مطابق امام کے زور سے قرأت کرتے وقت امام کے پیچھے قرأت کرنے سے صحابہ، تابعین وغیرہ سے متواتراً منع کرنا وارد وثابت ہے۔ (۱)

غیر مقلدین، علامہ ابن تیمیہؒ کے سلسلہ میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور تین طلاق کے مسئلہ میں خاص طور پر ان کے بیانات سے استفادہ کرتے ہیں ان کا یہ بیان ان پر حجت ہونا چاہئے۔

(۲) حضرت علقمہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں حضور ﷺ جیسی نماز پڑھکر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) کے سوا کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کیا۔ (۲)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غیر مقلدین کے امام علامہ ابن حزم ظاہری نے صحیح قرار دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) فتاوی: ۲۳/ ۳۰۷ (۲) ترمذی: ۱/ ۵۹، احمد ۵/ ۲۵۱ (۳) محلی: ۴/۳

اور غیر مقلد عالم علامہ ناصر الدین البانی نے لکھا کہ حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے ہمیں ان کی کوئی ایسی دلیل نہیں ملی جس سے استدلال صحیح ہو اور اس کی وجہ سے حدیث رد کر دی جائے۔(۱)

نیز علامہ احمد محمد شاکر نے (اس حدیث کی سند کو مسند احمد کی تعلیق میں صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

اس صحیح حدیث اور اس کے ساتھ اور بھی متعدد اس معنے کی احادیث صحیحہ کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔

(۳) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ان سے جب پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ جوتوں میں نماز پڑھتے تھے؟ تو فرمایا کہ ہاں۔(۳)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے کیا غیر مقلدین اس پر عمل کرتے ہیں؟ کیا ان کے امام وعلماء اس پر عمل کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو بخاری ومسلم کی حدیث پر عمل نہ کر کے، غیر مقلدین اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے کے مستحق کیونکر ہو سکتے ہیں؟

(۴) بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان، رسول اللہ ﷺ رات میں چار رکعت نماز پڑھتے جس کی کیفیت وطول کو نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے جس کے حسن وطول کو نہ پوچھو، پھر تین رکعت پڑھتے۔(۴)

---

(۱) مشکوۃ، بتحقیق ناصر الدین البانی: ۲۵۴/۱ (۲) مسند: ۲۵۱/۵

(۳) بخاری: ۵۶/۱، مسلم: ۲۰۸/۱ (۴) بخاری: ۱۵۴/۱، مسلم: ۲۵۴/۲

غیر مقلدین اس حدیث کو تراویح کی نماز کے آٹھ رکعات ہونے کی دلیل میں بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں اور جو صحابہ کے زمانے سے آج تک مسلسل و متواتر بیس رکعت پڑھی جا رہی ہیں اس کو بدعت کہتے ہیں، مگر خود اس حدیث کی مخالفت بھی کرتے ہیں، اس طرح کہ اس حدیث میں صاف طور پر آیا ہے کہ حضور ﷺ چار چار رکعت پڑھتے تھے، مگر کسی بھی غیر مقلدین کی مسجد میں تراویح چار چار رکعت نہیں، بلکہ دو دو رکعت پڑھتے ہیں لیکن کیا یہ حضور ﷺ کی مخالفت نہیں؟ پھر اس حدیث میں نہ جماعت سے پڑھنے کا ذکر ہے اور نہ مسجد میں پڑھنے کا بلکہ حدیث کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل تنہائی میں اور گھر میں ہوتا تھا مگر غیر مقلدین تراویح کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ جب کہ خود حدیث میں یہ بھی ہے کہ فرض کے سوا دوسری نمازیں گھر میں پڑھو کہ یہی افضل ہے۔(۱)

یہ حدیث نبی کریم ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی کہ رمضان میں چند دن صحابہ کرام کو تراویح پڑھائی پھر ایک دن صحابہ تو جمع ہو گئے مگر آپ تشریف نہیں لائے اس کے بعد تشریف لا کر یہ فرمایا کہ گھروں میں نماز پڑھو کہ یہی افضل ہے کہ فرض کے سوا دیگر نمازیں گھر میں پڑھی جائیں۔ مگر خاص تراویح کے سلسلہ کا یہ حکم نہ مان کر غیر مقلدین حدیث کی مخالفت مسلسل کرتے ہیں اور دوسروں کو الزام دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

(۵) امام بخاری نے باب باندھا "بَابُ مَنْ اَجَازَ الطَّلَاقَ الثَّلَاثَ" باب اس کا جس نے تینوں طلاقوں کو جائز قرار دیا۔ پھر متعدد احادیث بیان فرمائیں جن سے ایک ساتھ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقوں کا واقع ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

---

(۱) بخاری: ۱/۱۰۱، مسلم: ۱/۲۶۶

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ حضرت رفاعہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق بتّہ دی اور ایک روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں اسکے بعد میں نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کرلیا مگر وہ نا کارہ ہے آپ نے فرمایا کہ شاید دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے ہرگز نہیں جب تک کہ وہ تیری مٹھاس اور تو اس کی مٹھاس نہ چکھ لے۔(۱)

اس حدیث میں رفاعہؓ کے تین طلاق دینے کا ذکر ہے جسے امام بخاری ان لوگوں کے لیے استدلال فرما رہے ہیں جو تین طلاقوں کو نافذ مانتے ہیں معلوم ہوا کہ امام بخاری نے اس سے اکھٹی تین طلاقیں مراد لی ہیں ،مگر غیر مقلدین اسکے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تین طلاقیں اکھٹی دینے سے ایک ہی واقع ہوتی ہے، ایک طرف بخاری کو ماننے کا دعوی اور دوسری طرف اس کے خلاف عمل حالانکہ بخاری میں امام بخاری نے اس کے خلاف نہ کوئی باب باندھا ہے اور نہ کوئی حدیث پیش کی ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے تشہد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا۔(۲)

اس حدیث کو امام بخاری نے ''باب المصافحہ'' میں تعلیقا اور بابُ الا خذ بالیدین'' میں پوری سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت حماد اور حضرت ابن المبارک نے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا، مگر اس متفق علیہ حدیث کے خلاف غیر مقلدین ہمیشہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے اور دو ہاتھوں سے مصافحہ کو برا جانتے ہیں۔کیا یہی عمل بالحدیث ہے؟

(۱) بخاری:۲/۷۹۱ (۲) بخاری:۲/۹۲۶، مسلم:۱/۱۷۴

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دیکھا نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھتے دیکھا، سوائے مزدلفہ میں دو نمازوں مغرب وعشاء کے اور اس دن فجر کی نماز آپ نے (وقت معتاد) سے پہلے پڑھی۔(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبردار نیند میں کوئی تفریط نہیں (یعنی کوئی گناہ نہیں) تفریط (گناہ) تو اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کو وقت پر پڑھنا چاہئے۔ بلا عذر نماز کو موخر کرنا اور بے وقت پڑھنا گناہ کی بات ہے۔ مگر غیر مقلدین کے یہاں نمازوں کو مقدم و مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ یہ بات صریح احادیث کے خلاف ہے۔

(۸) مسلم و دیگر کتب حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ زائد (سورہ یا آیات) نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔(۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور (سورت یا آیات) نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، غیر مقلدین اس حدیث کے ایک حصہ کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بغیر سورۂ فاتحہ کسی کی نماز نہیں ہوتی، نہ امام کی، نہ مقتدی کی، نہ منفرد کی، مگر اس حدیث کے دوسرے حصہ میں جو کہا گیا کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی سورت و آیت پڑھنا ضروری ہے۔ اس کو نہیں مانتے اور مقتدی کو سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ اور پڑھنے سے منع کرتے ہیں، پھر بھی اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں، فیاللعجب!

(۹) بخاری و مسلم و دیگر محدثین نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم بیت الخلاء آؤ تو پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو۔(۴)

(۱) مسلم: ۱/۲۴۱ (۲) مسلم: ۱/۲۳۹ (۳) مسلم: ۱/۱۶۹ نسائی: ۱/۱۴۶

(۴) بخاری: ۱/۵۷، مسلم: ۱/۱۳۰

مگر غیر مقلدین اس حدیث کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ بنے ہوئے بیت الخلا میں قبلہ کی طرف رُخ کر کے یا پیٹھ کر کے پیشاب پاخانہ کر سکتے ہیں۔

(۱۰) حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔اس کو مضبوط پکڑو اور دانتوں سے تھام لو۔(۱)

امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

پوری اُمت اس حدیث پر عمل کرتی ہے اور حضراتِ خلفاء راشدین کی سنتوں کو قابل عمل قرار دیتی ہے۔مگر غیر مقلدین' صحابہ وخلفاء راشدین کی سنت کو نعوذ باللہ بدعت کہتے اور اس کو ٹھکراتے ہیں چنانچہ بیس رکعت تراویح کو حضرت عمر کی بدعت اور جمعہ کے دن کی پہلی اذان کو بدعت عثمان کہہ کر ان کا رد کرتے ہیں۔جبکہ اس حدیث صحیح سے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑنے کا حکم زبانِ رسالت سے صادر ہوا ہے **تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ** (یہ کامل دس (مثالیں) ہیں) ایسی صحیح احادیث بہت سی ہیں جن کو غیر مقلدین ٹھکراتے ہیں۔یہاں صرف بطور نمونہ دس مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) ترمذی:۹۲/۲،ابن ماجہ:۵،ابوداؤد:۲۷۹/۲،مسند احمد:۲۷/۴،دارمی:۲۶/۱

فقہ پر غیر مقلدین کے اعتراضات کا جائزہ

کیا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے؟

غیر مقلدین کی طرف سے عوام الناس میں جو وسوسے ڈالے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ مسلمانوں کو صرف قرآن وحدیث کا مکلّف و پابند بنایا گیا ہے۔ لہٰذا فقہ اور فقہی کتابوں کی نہ ضرورت ہے اور نہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا جائز ہے' کیونکہ فقہ' قرآن وحدیث سے ہٹ کر اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کی یہ بات۔ "کَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ (کلمہ حق جس سے باطل مراد لیا گیا ہے) کا مصداق ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے منکرین حدیث (جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں) کہا کرتے ہیں کہ قرآن کریم ایک جامع اور مکمل کتاب ہے اس کے معانی ومضامین واضح ہیں، لہٰذا حدیث وسنت کی کوئی ضرورت نہیں اور قرآن کو چھوڑ کر حدیث پر عمل جائز نہیں کیونکہ قرآن وحدیث میں بہت جگہ تضاد وٹکراؤ ہے، ظاہر ہے کہ منکرین حدیث کی یہ منطق جس طرح باطل ہے اسی طرح غیر مقلدین کی منطق بھی غیر معقول ہے۔

کیونکہ فقہ درحقیقت، قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح تفہیم وتسہیل کا نام ہے جس کو علوم قرآن وحدیث کے ماہرین اور مستند شارحین نے انتہائی دیانت داری وامانت داری اور پورے حزم واحتیاط کے ساتھ مرتب ومدون فرمایا ہے۔

مثلاً نماز جو کہ اسلامی عبادات میں سے سب سے اہم عبادت ہے، قرآن وحدیث میں اس کا مکمل طریقہ پوری جزوی تفصیلات کے ساتھ ایک جگہ اکٹھا موجود

نہیں ہے، کچھ باتوں کا ذکر قرآن میں ہے اور کچھ ارکان وآداب کا ذکر کسی حدیث میں ہے اور کچھ کا ذکر کسی اور حدیث میں ہے، اسی طرح اس کی جزوی تفصیلات اور متعلقہ مسائل واحکامات ترتیب اور تفصیل سے مذکور نہیں ہیں، ان ماہرین شریعت علماء وفقہاء نے قرآن وحدیث سے کشید کر کے ان سب کو اکٹھا کر دیا تاکہ عوام الناس اور معمولی سمجھ بوجھ والا بھی ان شرعی احکامات پر بآسانی عمل کر سکے، اسی طرح جو مسائل قرآن و حدیث میں صراحۃً بیان نہیں فرمائے گئے۔ ان کو قرآن و حدیث کے اشارے سے یا دلالت سے اخذ کر کے ان کو بھی بیان فرمایا، مثال کے طور پر قرآن پاک میں والدین کے حقوق وآداب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو اُف نہ کہو (بنی اسرائیل:۲۳) اور حدیث میں والدین کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔

مگر والدین کو مارنے پیٹنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، مگر قرآن وحدیث کی دلالت سے اس کا بھی حرام ہونا معلوم ہوتا ہے کہ جب والدین کو گالی دینا منع اور اُف کہنا منع ہے تو مارنا تو بدرجہ اولی منع و نا جائز ہوگا، ظاہر ہے کہ اس طرح قرآن وحدیث کی دلالت یا ان کے اشارے سے مسئلہ نکالنا، قرآن وحدیث کے خلاف نہیں، بلکہ عین قرآن وحدیث کی منشاء ومراد کے مطابق ہے۔

اسی طرح بعض وہ مسائل جس کا ذکر قرآن وحدیث میں بالکل نہیں ہے، نہ صراحۃً، نہ دلالۃً، نہ اشارۃً۔ ایسے مسائل کو قرآن وحدیث کے اندر آئے ہوئے مسائل پر پیش کر کے، ان کا حکم معلوم کیا جاتا اور ان کو بھی فقہ میں مرتب کیا جاتا ہے، مثلاً غلام کتنی شادیاں کرسکتا ہے؟ اس مسئلہ کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ حضرات صحابہ نے قرآن کی ایک آیت پر قیاس کر کے فرمایا کہ غلام صرف دو نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ قرآن میں باندیوں کی سزا (یعنی زنا کی سزا) آزاد عورتوں کی سزا کے لحاظ سے نصف بتائی گئی ہے (سورۂ نساء:۲۵) تو اس پر نکاح کے مسئلہ کو قیاس

کیا گیا اور آزاد مردوں کے لحاظ سے نصف شادیاں کرنے کی بات طے کی گئی۔(۱)

اس کو قیاس کہا جاتا ہے اور صحابہ کے دور سے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کے دور سے قیاس سے برابر کام لیا جاتا رہا ہے، تو فقہاء نے ان قیاسی مسائل کو بھی فقہ میں مدون کیا ہے۔

یہ ہے فقہ کی حقیقت جس کو غیر مقلدین اپنی ناواقفیت کی بنا پر یا محض تعصب وعناد کی وجہ سے قرآن وحدیث کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ فقہ کی پوری حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمارا مضمون ''فقہ کی حقیقت وضرورت'' جو اس رسالہ میں شامل ہے۔ اس کا مطالعہ فرمائیے۔

اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ جب قرآن وحدیث موجود ہیں تو فقہ کی کیا ضرورت؟ محض مغالطہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ جب قرآن وحدیث موجود ہیں تو یہ غیر مقلدین تفسیریں، اور حدیث کی شروحات اور دیگر عنوانات پر چھوٹی بڑی کتابیں کیوں لکھتے اور پھیلاتے ہیں؟ خصوصاً نماز کے عنوان پر صلوۃ الرسول اور صلوۃ النبی نام کی کتابیں اور فتاویٰ علماء اہل حدیث اور فتاویٰ ثنائیہ اور فتاویٰ نذیریہ جو غیر مقلد علماء کے فتاویٰ ہیں، آخر قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے، ان کی کیا ضرورت تھی اور ہے؟ افسوس صد افسوس کہ جو طبقہ اپنے علماء کی کتابوں پر، ان کے فتاویٰ پر، ان کی فہم پر اعتماد کرتا ہے اور ان کی کتابوں کو پھیلاتا ہے، وہ عوام کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہتا پھرتا ہے کہ قرآن وحدیث کافی ہے، فقہ کی کیا ضرورت؟ جب کہ ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ قرآن وحدیث کے ثمرہ اور پھل اور ان کی تشریح ہی کا نام فقہ ہے۔ اگر قرآن وحدیث اور دیگر دلائل شرعیہ (اجماع وقیاس) سے مستنبط و

(۱) اعلام الموقعین، ابن قیمؒ: ۱/۲۰۹

ماخوذ مسائل واحکامات کی ضرورت نہیں ہے، تو پھر غیر مقلد علماء کی کتابوں اوران کے فتاویٰ کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں قرآن وحدیث کو کافی سمجھ کران پر یہ لوگ اکتفاء نہیں کرتے؟

چند دنوں قبل ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے ایک اہل حدیث عالم (انہوں نے نام بھی لیا تھا) کا بیان کیسٹ میں سنا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے قرآن کو آسان بنایا ہے۔(وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ) اور قرآن وحدیث ہمارے لیے کافی ہے تو پھر کسی اور چیز کی یا کسی عالم کی کیا ضرورت ہے؟

میرے پاس اس وقت بعض علماء بھی تشریف فرما تھے اور مدرسہ کے طلبہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ عربی زبان سے واقف ہیں؟ کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ جب قرآن سب کے لیے یکساں طور پر آسان کر دیا گیا ہے، تو آپ قرآن پاک اٹھایئے اور کسی کے ترجمہ کی مدد کے بغیر اس کو پڑھیئے، کیا آپ اس طرح قرآن سمجھ سکتے ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں سمجھ سکتا، میں نے کہا کہ جب قرآن نے یہ نہیں کہا کہ ''ہم نے صرف عربی جاننے والوں کے لیے اس کو آسان کیا ہے، تو یہ ہر زبان والے کو سمجھ میں آنا چاہیئے، اب اگر آپ کسی ترجمہ کی مدد لیتے ہیں تو وہ ترجمہ کسی نہ کسی عالم کا کیا ہوا ہوگا، تو آپ قرآن جیسی آسان چیز کو سمجھنے میں ایک عالم کے محتاج ہوئے، جبکہ اہل حدیث مولوی صاحب کا کہنا تھا کہ ہم کو کسی چیز یا کسی عالم کی ضرورت نہیں۔

پھر میں نے ان سے کہا کہ جب کسی چیز کی ضرورت نہیں تو یہ غیر مقلد علماء قرآن کا ترجمہ کیوں کرتے ہیں، ان کی تفسیر کیوں لکھتے ہیں۔ لوگوں میں بیانات کیوں کرتے ہیں لوگوں کو صرف قرآن وحدیث کے معری نسخے کیوں نہیں دیتے؟

معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ کچھ ہے اور عمل کچھ اور۔

غرض یہ کہ فقہ کی ضرورت واہمیت ایک مسلّمہ امر ہے اگر عناد و تعصب نہ ہو تو کوئی ذی عقل و ہوش اس کا انکار نہیں کرسکتا۔

۞ فقہی کتب میں فحش مضامین ہونے کا جواب:

غیر مقلدین نے فقہ پر جو اعتراضات کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ فقہ کی کتب میں فحش مضامین ہیں، مثلاً کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ، مرد کا پیشاب کا مقام عورت کے پیشاب کے مقام سے ملجائے اور درمیان میں آڑ نہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا؟

مگر ان کا یہ اعتراض بلکہ وسوسہ محض لغو اور متعصب ذہنیت کی پیداوار ہے، کیونکہ اولاً تو اس قسم کے مسائل خود احادیث مبارکہ میں بھی آئے ہیں، جن کو یہ لوگ مانتے ہیں، اگر احادیث سے ماخوذ فقہ میں اس طرح کے مسائل ہوں تو پھر اعتراض کی کیا وجہ؟ سوائے تعصب کے اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، غور کیجئے کہ کیا احادیث میں کچھ شرم وحیاء کے مسائل بضرورت بیان کئے جانے کی وجہ سے وہ قابل اعتراض و لائق رد قرار پائیں گی؟ یا اعتراض کرنے والے ہی قابل اعتراض قرار پائیں گے؟

معلوم ہونا چاہئے کہ فقہ پر جس طرح غیر مقلدین کا یہ اعتراض ہے کہ اس میں فحش باتیں و مسائل ہیں۔ بعینہٖ یہی اعتراض منکرین حدیث (جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں) نے درج ذیل احادیث پر کیا ہے۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (ازواج نبی ﷺ) میں سے کوئی حائضہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو ازار پہننے کا حکم دیتے اور ازار کے اوپر سے مباشرت فرماتے۔(۱)

---

(۱) بخاری :۳۹۱، مسلم: ۴۴۰، نسائی: ۳۷۰، ابوداؤد: ۲۳۹، ابن ماجہ: ۶۲۷، احمد: ۲ ۲۳۸۷

(۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لیٹی، اچانک مجھے حیض آ گیا، میں اٹھکر چلی گئی اور میں نے حیض کے وقت کے کپڑے لیے آپ نے فرمایا کہ کیا حیض آ گیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں، آپ نے مجھے بلایا اور میں آپ کے ساتھ لیٹ گئی۔(۱)

(۳) حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عائشہ کے رضاعی بھائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور حضور علیہ السلام کے غسل کے بارے میں پوچھا، انہوں نے برتن منگوایا جو صاع کے برابر تھا اور غسل فرمایا اور سر پر پانی بہایا، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور حضرت عائشہ کے درمیان ایک پردہ تھا۔(۲)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ اسلام اپنی ازواج کا روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے، پھر حضرت عائشہ ہنس پڑیں، بعض روایات میں ہے کہ روزہ کی حالت میں مباشرت (بوس وکنار) فرماتے تھے۔(۳)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ روزے کی حالت میں آپ ان سے مباشرت (بوس وکنار) فرماتے اور آپ کے اور ان کے درمیان یعنی شرمگاہ پر ایک کپڑا ہوتا تھا۔(۴)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک رات میں حضور علیہ السلام اپنی ساری بیویوں سے ملتے تھے اور اس وقت آپ کی نو بیبیاں تھیں۔(ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے ایک رات میں اپنی عورتوں سے ملاقات کی ایک غسل

---

(۱) بخاری:۲۸۹، مسلم:۴۴۴، نسائی:۴۸۱، ابن ماجہ:۶۲۹، دارمی:۱۰۲۶، احمد:۲۵۳۰۰

(۲) بخاری:۲۴۳، مسلم:۴۸۱، نسائی:۲۲۷، احمد:۲۳۲۹۳

(۳) بخاری:۱۷۹۳، مسلم:۱۸۵۱، ترمذی:۶۶۱، ابوداؤد:۲۰۳۴، ابن ماجہ:۱۶۷۴

(۴) احمد:۲۳۱۷۸

کے ساتھ۔(۱)

ان احادیث پر منکرین حدیث کا بعینہٖ وہی اعتراض ہے جو غیر مقلدین و منکرین فقہ کا فقہ پر ہے کہ ان میں فحش باتیں ہیں، بوس و کنارو جماع وغیرہ کی جو حدیث میں نہ ہونا چاہیئے۔ کیا ان جاہلوں کے اس اعتراض سے حدیث مخدوش ہوگئی؟ اسی طرح فقہ پر یہ اعتراض کیا اس کو مخدوش کردیگا؟ کیا غیر مقلدین کے نزدیک منکرین حدیث کا اعتراض صحیح ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر فقہ پر اعتراض بھی اسی طرح غلط ہے۔

فقہ میں اختلاف کا جواب:

غیر مقلدین کے وسوسوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فقہی کتابوں میں مذکور ائمہ کے اختلافات کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ فقہ میں اختلاف ہے اور خود حنفی فقہ میں بھی اختلافات ہیں، اگر ابو حنیفہؒ کا ایک قول ہے تو ان کے شاگردوں کا دوسرا قول ہے۔ پھر فقہ میں چار مسلک ہیں، حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی، تو اس اختلاف کے ہوتے ہوئے کس طرح عمل ہوگا؟ اور کس پر عمل ہوگا؟

اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ چاروں مسلکوں میں سے کسی پر بھی عمل کرلیا جائے وہی اس کے لیے کافی ہے، چاروں مسالک اپنی اپنی جگہ حق پر ہیں، جس طرح قرآن مجید کی سات قرأتوں میں سے کسی ایک قرأت پر تلاوت کرلینے سے تلاوت کا پورا پورا ثواب مل جاتا ہے اور ساتوں قرآتیں حق ہیں، اور غیر مقلدین بھی انہی قرأتوں پر تلاوت کرتے ہیں، کیا سات مختلف قرأتوں کی وجہ سے کوئی عقلمند تلاوت کو چھوڑ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اسی طرح چار مسلکوں کے اختلاف کو سات قاریوں کے اختلاف کی طرح سمجھنا چاہیئے، رہا یہ کہ خود حنفی مسلک میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، تو

---

(۱) بخاری: ۲۷۵، مسلم: ۴۶۷، ترمذی: ۱۳۰، ابوداؤد: ۱۸۸، ابن ماجہ: ۵۸۱، احمد: ۱۲۴۹۹

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کے موقعہ پر اصحاب ترجیح فقہاء، صحیح و مفتی بہ و معتبر قول کی نشاندہی بھی کر دیتے ہیں، پھر پریشانی کیا ہے، یہ تو تحقیقی جواب ہے، اس کے علاوہ ہم ان غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ روایات کا اختلاف تو احادیث میں بھی پایا جاتا ہے، خود بخاری میں مختلف احادیث ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی ہزاروں احادیث میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ مثلاً:

(۱) امام بخاری نے متعدد صحابہ سے روایت کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اپنی عورت سے جماع کرے مگر منی نہ نکلے تو صرف وضو کافی ہے۔

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ وحضرت کعب، اور حضرت ابوایوبؓ، سب نے یہی فرمایا۔(۱)

مگر خود امام بخاری اور دیگر محدثین نے اس کے خلاف یہ حدیث نقل کی ہے کہ اگر عورت سے جماع کیا اور شرمگاہیں مل گئیں تو غسل واجب ہوگا۔(۲)

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ ''تَوَضَّئُوا مِمَّامَسَّتِ النَّارُ'' کہ آگ میں پکی ہوئی چیز کے استعمال پر وضوء کرنا چاہئے۔(۳)

مگر اس کے خلاف دوسری احادیث انہی محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گوشت یا سالن (جو کہ آگ سے پکا ہوا ہی ہوتا ہے) کھایا پھر بغیر وضو کے نماز پڑھی۔(۴)

(۳) ضبع (بجو جانور) کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس

---

(۱) مسلم واحمد نے حضرت عثمانؓ سے نقل کیا ہے، بخاری:۲۸۳، مسلم:۵۲۴، احمد:۴۲۰

(۲) بخاری:۲۸۲، مسلم:۵۲۵، نسائی:۱۹۱، ابوداؤد:۸۶/۶، ابن ماجہ:۶۰۲، احمد:۰۰ ۶۹، دارمی:۷۵۴ (۳) مسلم:۵۲۹، نسائی:۱۷۴، ترمذی:۷۴، ابوداؤد:۱۶۶، ابن ماجہ:۴۷۸، احمد:۷۳۸۷ (۴) مسلم:۵۳۱-۵۳۸، بخاری:۲۰۳، احمد:۲۵۵۸۵، ابوداود:۱۵۹

کے کھانے کو فرمایا ہے یعنی اجازت دی ہے۔(۱)

مگر اس کے خلاف یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی (بجّو) بھی کھاتا ہے۔(یعنی یہ کھایا نہیں جاتا)(۲)

(۴) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر پڑھتے اور عورتیں (مسجد سے) واپس ہوتیں تو اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہ جاسکتیں تھیں (یعنی اندھیرے ہی میں نماز فجر ادا فرماتے)۔(۳)

مگر خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فجر کو اسفار یعنی اجالے میں پڑھو کہ یہ بڑا اجر کا سبب ہے۔(۴)

امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں اور اوپر کی حدیث بھی صحیح ہے۔ یہ احادیث جو کہ آپس میں مختلف و متعارض ہیں، ان کی بنا پر کیا ذخیرۂ حدیث کو غیر معتبر قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہر گز نہیں ، بلکہ ان میں روایتی و درایتی اصول کے پیش نظر کہیں تنسیخ ، کہیں تطبیق ، کہیں ترجیح کا اصول کام میں لایا جائیگا ،اسی طرح فقہ کی مختلف روایات کا مسئلہ ہے، تو غیر مقلدین کو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

فقہ میں چار ہی امام کیوں؟

غیر مقلدین کا ایک وسوسہ یہ ہے کہ فقہ میں چار ہی امام کیوں ؟ اور یہ کہ کس آیت یا حدیث میں ہے کہ ائمہ چار ہیں اور ان کے نام کہاں مذکور ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال جہالت پر مبنی ہے اور محض دھوکہ کے لیے عوام میں چلایا جاتا ہے، اس

---

(۱) ترمذی:۱۷۱۳،نسائی:۴۲۸۷،ابوداؤد:۳۳۰۷،ابن ماجہ:۳۲۲۷،احمد:۱۳۶۴۹

(۲) ترمذی:۱۷۱۴،ابن ماجہ:۳۲۳۸ (۳) بخاری:۳۵۹،مسلم:۱۰۲۰،نسائی:۵۴۲،ابن ماجہ:۶۶۱ ، احمد:۲۲۹۷۸،مالک:۳،دارمی:۱۱۹۰،ترمذی:۱۴۱

(۴) ترمذی:۱۴۲،نسائی:۵۴۶،ابوداؤد:۳۶۰،ابن ماجہ:۶۶۴ ،احمد:۱۶۶۲۰،دارمی:۱۱۹۱

وسوسہ کا جواب درجہ ذیل نکات میں غور کرنے سے ملے گا۔

(۱) دنیا میں بے شمار علماء وائمہ گذرے ہیں لیکن جو مقبولیت اللہ تعالی کی طرف سے ان چار ائمہ فقہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد) کو حاصل ہوئی دوسروں کو حاصل نہ ہوئی، جس طرح محدثین تو بہت سے گذرے ہیں مگر ان میں جو مرتبہ اصحاب صحاح ستّہ (امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ) کو ملا وہ دوسرے محدثین کے حصہ میں نہیں آیا اور پھر ان میں بھی جو مقبولیت امام بخاری وامام مسلم کو ملی، دیگر حضرات وہ نہ پا سکے، اگر کوئی جاہل یہ سوال کرے کہ حدیث کے فن میں ان چھ محدثین کو کیوں مانا جاتا ہے، کیا قرآن وحدیث میں ان کا ذکر ہے اور کیا ان کے نام مذکور ہیں؟ تو اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جہالت پر مبنی سوال ہے۔

(۲) قرآن پاک کے سات قاری مشہور ہوئے اور ساری دنیا میں ان ہی کی قرأت کے مطابق تلاوت کی جاتی ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ سات ہی قاری کیوں؟ اور یہ کہ ان کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں؟ تو اس کا غیر مقلدین کیا جواب دیں گے؟

(۳) بات دراصل یہ ہے کہ ان چار فقہاء نے قرآن وحدیث کی تشریح وتوضیح ان کے مضامین کی ترتیب وتسہیل، ان کی توجیہ وتحقیق کا جو بے نظیر کارنامہ انجام دیا، وہ دوسرے حضرات کے حصہ میں نہیں آیا، نیز ان حضرات کی فقہ تمام ابواب کو جامع ہے اور اسی دور میں اللہ نے ان کے اصحاب وتلامذہ کو ان کی فقہ کی ترتیب وتدوین کی توفیق دی جس سے قرآن وحدیث کے تمام مضامین، ان کے اصول وکلیات، پھر ان سے مستنبط جزئیات وفروعات سب کے سب مدون ومرتب ہوگئے اور ان حضرات کی

امانت و دیانت ، ان کی دین میں فقاہت و بصیرت ان کا اخلاص وللّٰہیت اور ان کا تقوی و طہارت ، ایک ایسی معروف چیز تھی کہ اس کی بنا پر لوگوں نے ان کی فقہ کو پورے اطمینان کے ساتھ قبول کرلیا اور صدیوں سے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ، ان کی فقہ پر عمل کیا جا رہا ہے ۔ جس طرح حضرات محدثین کی خدمات پر اعتماد کرتے ہوئے اور ان کی دیانت و امانت داری پر بھروسہ کرتے ہوئے ، ان کی مرتب کردہ کتبِ حدیث پر امت عمل کرتی چلی آرہی ہے ۔ حالانکہ ان ائمہ محدثین کا نام و کام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ، اگر قرآن و حدیث میں ان فقہاء کا ذکر ہونا ضروری ہے تو پھر امام بخاری و امام مسلم و دیگر محدثین کو اور ان کی احادیث کو ماننے کے لیے بھی قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہونا چاہیئے ، کیا کوئی غیر مقلدین ان کا نام قرآن و حدیث میں دکھا سکتا ہے؟

فقہ ابوبکر و فقہ عمر کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی ؟

وساوس غیر مقلدین میں سے یہ بھی ایک ہے کہ جب امام ابوحنیفہ و امام شافعی وغیرہ ائمہ کے مقابلہ میں حضرات صحابہ کا علم ، فہم و بصیرت بڑھی ہوئی ہے تو ان کی فقہ و فتاوی کو قابل تقلید کیوں نہیں سمجھتے ، ابوحنیفہ و شافعی کی فقہ کو کیوں مانتے ہیں اور اپنے آپ کو ابوبکری و عمری کیوں نہیں کہلاتے ؟ حنفی و شافعی کیوں کہلاتے ہیں؟

اس وسوسہ کا جواب اوپر کے جواب سے سمجھا جا سکتا ہے ، وہ یہ کہ صحابہ کرام اگرچہ علم و عمل ، تقوی و دیانت ، فہم و بصیرت میں ان ائمہ کرام سے بہت بڑے ہوئے ہیں اور ان ائمہ کرام نے قرآن و حدیث کے ساتھ صحابہ کرام کی فقہ و فتاوی کو بھی حرز جان بنایا ہے اور ان فتاوی کی روشنی میں ہی اپنی فقہ کو مرتب فرمایا ہے تاہم کسی ایک صحابی سے بھی تمام ابواب و جزئیات کے متعلق تفصیلی مسائل و فتاوی مرتب و مدون نہ ہوئے

کسی سے سو مسائل ثابت ہیں تو دوسرے صحابی سے پچاس مسائل ثابت ہیں، اس طرح ایک سے تمام ابواب کے بارے میں تفصیلی مسائل ثابت نہ ہونے کی وجہ سے فقہ ابوبکر و فقہ عمر کی طرف لوگوں کا انتساب نہ ہوا، اور ان ائمہ کرام سے چونکہ ہر ہر باب میں تفصیلی مسائل مرتب و مدون ہو گئے ان کی طرف انتساب کیا جانے لگا، باقی حضرات صحابہ کے فتاوی وفقہ پر عمل تو ان ائمہ کی فقہ کے ضمن میں ہو جاتا ہے کیونکہ فقہ کی بنیاد جن چیزوں پر ہے ان میں ایک صحابہ کے اقوال و فیصلے بھی ہیں، چنانچہ علامہ ابن القیمؒ نے امام احمد کے مسلک و مذہب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''امام احمد بن حنبل کے فتاوی کی دوسری اصل و بنیاد، وہ مسائل ہیں جن پر حضرات صحابہ نے فتوی دیا ہے۔(۱)

اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ:

میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی مسئلہ نہ ملا تو حدیث رسول اللہ ﷺ سے لیتا ہوں اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو اقوال صحابہ سے دلیل لیتا ہوں۔(اگر صحابہ میں اختلاف ہو تو) ان میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں اور ان حضرات کے اقوال سے کسی اور قول کی طرف نہیں جاتا۔(۲)

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ و دیگر ائمہ نے فقہ میں جہاں قرآن و حدیث سے اخذ فرمایا ہے وہیں حضرات صحابہ کے اقوال و فتاوی کو بھی لیا ہے، مگر چونکہ فقہ کے تمام ابواب پر سیر حاصل بحث اور ایک فن کی حیثیت سے کلام صحابہ سے مروی نہ تھا تو نسبت ان کی طرف نہیں کی گئی، بلکہ ان ائمہ کرام کی طرف کی گئی جن سے تدوین فقہ

(۱) اعلام الموقعین: ۱/۳۰

(۲) تہذیب الکمال: ۲۹/۴۴۲، تاریخ بغداد: ۱۳/۳۶۸، تہذیب ۱۰/۴۵۱

کا کام منصۂ مشہود پر ظاہر ہوا بالکل اسی طرح جیسے قرآن پاک کی سات قرأتیں، صحابہ کے دور میں تھیں اور بعض صحابہ کا اس سلسلہ میں بہت اونچا مقام بھی تھا، جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت سالم مولی ابو حذیفہ اور حضرت معاذ ابن جبل۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان چار حضرات سے قرآن حاصل کرو۔(۱)

اور حضرت عمر نے حضرت ابی بن کعب کے بارے میں فرمایا کہ ابی، ہم میں سب سے بڑے قاری ہیں۔(۲)

مگر اس کے باوجود ساری دنیا میں آج حضرت عاصم کوفی اور دوسرے قاریوں کی قرأت پڑھی جاتی ہے۔ غیر مقلدین بھی کہتے ہیں کہ فلاں قاری کی روایت کے مطابق یہ قرأت ہے، وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے قرأت پر مستقل کام کر کے اس کی تدوین کی اور پھر یہ نقل ہوتے چلی آ رہی ہیں، لہٰذا ان کی طرف منسوب کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ قاری عاصم کوفی اور فلاں کی قرأت ہے، اسی طرح بخاری کی حدیث و مسلم کی حدیث جو کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان حضرات نے قربانی دیکر اس فن کو دیانت و امانت سے ہم تک پہنچایا، لہٰذا ان کی طرف اس کو منسوب کر دیا جاتا ہے۔ کیا کوئی عاقل یہ سوال کر سکتا ہے کہ حدیث بخاری وحدیث مسلم کیوں کہتے ہو؟ حدیث ابو بکر و حدیث عمر کیوں نہیں کہتے؟ افسوس کہ غیر مقلدین کو یہ واضح باتیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں اور وہ لوگوں کو الجھاتے ہیں۔

کیا بخاری و مسلم کی حدیث سب پر مقدم ہے؟

غیر مقلدین کے وساوس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فقہ حنفی میں، بخاری و مسلم کی حدیثوں کے خلاف مسائل ہیں اور دوسری حدیثوں پر بخاری و مسلم کی حدیث

(۱) بخاری: ۴۶۱۵، مسلم: ۴۵۰۴، ترمذی: ۳۷۴۶ (۲) بخاری: ۴۶۲۱، احمد: ۲۰۱۷۲

مقدم ہے لہٰذا فقہ حنفی غیر معتبر ہے۔

یہ وسوسہ دراصل انتہائی بُودہ ولغو قسم کا ہے کیونکہ نہ قرآن میں ہے اور نہ کسی حدیث میں کہ بخاری ومسلم کی حدیث سب سے مقدم ہے، اگر یہ اللہ ورسول کی بات ہوتی تو بلا شبہ حنفی اس کے پابند ہوتے اور نہ ہوتے تو اس پر جرح وتنقید کا بھی دوسروں کو حق ہوتا، مگر جو بات قرآن وسنت میں ثابت نہیں اور وہ کسی کا قول ہے تو حنفی فقہ اس کی پابندی کیوں کرے؟ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے تشریف لانے سے پہلے ''فقہ حنفی'' کی تدوین ہو چکی تھی اور ہزار ہا علماء وائمہ اس فقہ کی اتباع اور اس کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے، اس کے بعد امام بخاری وامام مسلم تشریف لائے تو فقہ حنفی ان حضرات کے پہلے ہی صحیح سندوں کی جانچ پڑتال کر کے مرتب ہو چکا اس کو یہ کہہ کر ٹھکرانا کہ بعد میں آنے والے امام بخاری وامام مسلم کی حدیث کے موافق نہیں ہے محض بے سمجھی کا نتیجہ ہے یا تعصب کا کرشمہ، کیونکہ صحیحین کے مقدم ہونے کا سوال بعد والوں کے لیے ہوسکتا ہے نہ کہ ان سے پہلے والوں کے لیے اور امام ابو حنیفہؒ فقیہ ہونے کے ساتھ بڑے محدث تھے اور بڑے بڑے محدثین سے انہوں نے حدیث سنی اور ان سے بھی بڑے بڑے محدثین نے روایت کی ہے، اور اس کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ حدیث کی روایت میں اور اس کے قبول کرنے میں کڑی شرائط کے پابند تھے انہوں نے چھان پھٹک کر احادیث کو لیا اور ان پر اپنے فقہ کی بنیاد رکھی۔

امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے ان سے روایت کرنے والے اور جن سے آپ نے روایت کی ہے ان کے بہت سے نام گنائے ہیں۔(۱)

اور حضرت یحیی بن معین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۶۸، تہذیب: ۱۰/۴۴۹

ابوحنیفہ ثقہ تھے اور اسی حدیث کو بیان کرتے تھے جو حفظ ہوتی تھی اور جو حفظ نہ ہوتی اس کو بیان نہ کرتے، نیز فرمایا کہ ابوحنیفہ حدیث میں قابل اعتماد تھے۔(۱)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی غور کیا تو یہی پایا کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی تائید کسی نہ کسی حدیث واثر سے ہورہی ہے۔(۲)

غرض یہ کہ فقہ حنفی کو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے قرآن وحدیث وآثار صحابہ واجماع وقیاس (اس کی تفصیل گذر چکی ہے) سے مدون ومرتب فرمایا ہے اور اس کے بعد امام بخاری وغیرہ تشریف لائے ہیں تو ان کی حدیث مقدم ہوجائے یہ کیسے ہوسکتا ہے یہ قول نہ اللہ کا ہے نہ رسول اللہ کا، اسی لیے حنفی بزرگ وفقیہ ومحدث علامہ ابن الھمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیث سب سے اصح ہے، پھر وہ جو صرف بخاری میں ہو پھر وہ جو صرف مسلم میں ہو الخ یہ محض تحکم وسینہ زوری کی بات ہے جس کی تقلید جائز نہیں کیونکہ اصح ہونے کا مدار تو اس پر ہے کہ راوی میں وہ شرائط پائی جائیں جن کا خود امام بخاری ومسلم نے اعتبار کیا ہے۔(۳)

پھر غیر مقلدین کے اس وسوسہ پر اس طور پر بھی نظر کرنا چاہیئے کہ بخاری ومسلم کی حدیث یا اور کسی حدیث صحیح کے ثابت ہوجانے سے اس پر عمل ضروری نہیں ہوجاتا بلکہ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ حدیث کی دلالت اپنے مضمون پر کس درجہ کی ہے اور یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں منسوخ تو نہیں، یا مؤول تو نہیں، مثلاً:

(۱) بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی عورت سے جماع کرے مگر انزال نہ ہو تو صرف وضو کرلے اور شرمگاہ

---

(۱) تہذیب: ۱۰/۴۵۰ (۲) الخیرات الحسان، بحوالہ ابوحنیفۃ واصحابہ: ۵۰ (۳) فتح القدیر: ۱/۴۶۲

دھولے۔(۱)

مگر اس پر کسی کا عمل نہیں ہے اور اس کو دوسری حدیث کی وجہ سے منسوخ مانا جاتا ہے اور خود غیر مقلد بھی اس حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں نماز پڑھتے تھے کہ آپ (اپنی نواسی) حضرت امامہ بنتِ زینب کو اپنے اوپر اٹھا لیتے تھے اور جب سجدہ کرتے تو ان کو اتار دیتے۔(۲)

بخاری و مسلم کے علاوہ نسائی، ابوداؤد، مسند احمد، وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔(۳)

مگر کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہر آدمی کو نماز کے وقت اپنی نواسی کو کندھے پر سوار کرا کر نماز پڑھنا سنت ہے؟ اور کیا بخاری و مسلم کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے سارے غیر مقلدین اپنی اپنی نواسیوں کو یا کسی بچی کو نماز میں کندھے پر بٹھا لیتے ہیں؟

(۳) بخاری و مسلم دونوں حضرات نے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔(۴)

اور بخاری میں اس کے خلاف بیٹھ کر پیشاب کرنے کی کوئی حدیث نہیں ہے اور ابن ماجہ ترمذی و نسائی نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی تم سے بیان کرے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق نہ کرو۔(۵)

---

(۱) بخاری:۲۸۳، مسلم:۵۲۴ (۲) بخاری:۴۸۶، مسلم:۸۴۴

(۳) نسائی:۱۱۸۹، ابوداؤد:۷۸۲، مسند احمد:۲۱۴۸۱

(۴) بخاری:۲۱۷، ۶۱ ۳، مسلم:۱۴۰۲، ۱۳۳

(۵) ترمذی:۱۲، نسائی:۲۹، ابن ماجہ:۳۰۳

اب غور کرنا چاہئے کہ کیا صرف اس وجہ سے کہ پہلی حدیث بخاری و مسلم میں ہے پیشاب کھڑے ہو کر کرنے کو سنت قرار دیا جائیگا؟ ہر گز نہیں، بلکہ اس میں تاویل کی جائے گی اور دوسری حدیث کو جو کہ دوسری کتب کی ہے ترجیح دی جائے گی کہ اصل عادت تو آپ کی بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی، کبھی کبھی کسی عذر سے یا بیان جواز کے لیے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہے، اگر کوئی شخص اس تاویل کے بغیر صرف بخاری و مسلم کی حدیث کے ظاہر پر یہ حکم لگا دے کہ کھڑے ہو کر ہی پیشاب کرنا سنت رسول ہے تو یہ جفا و ظلم ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی حدیث کے بخاری و مسلم میں ہونے سے اسکا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی اپنے مضمون پر دلالت اور دوسری حدیثوں سے اس کی تطبیق ترجیح، یا اس کا منسوخ ہونا یا مؤول ہونا وغیرہ امور ایک مستقل چیز ہے۔ اس لیے فقہ حنفی کو بخاری و مسلم کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

کیا فقہ حنفی، ضعیف احادیث پر مبنی ہے؟

غیر مقلدین کے وسوسہ میں سے ایک وسوسہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کو ضعیف احادیث پر مبنی قرار دیتے ہیں اس کا جواب امور ذیل میں درج ہے۔

(ا) پہلی بات یہ ہے کہ فقہ حنفی ضعیف حدیثوں پر مبنی ہے یا صحیح حدیثوں پر، اس کا فیصلہ تو وہ کر سکتا ہے جو فن حدیث سے واقف ہو، اور اس میں درجہ امامت و اجتہاد پر فائز ہو اور یہ غیر مقلدین جن کو اردو کی کتاب بھی ٹھیک سے پڑھنا نہیں آتا اور بخاری و مسلم کی چند حدیثوں پر ناقص طور پر عمل کر کے اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور فن حدیث سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ان کے کہنے اور فیصلہ کرنے کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اور ان کے مقابلہ میں ہمیشہ سے ساری دنیا کے علماء وائمہ امام ابوحنیفہ کی فقہ پر اعتماد کرتے آئے ہیں، اور تعریف وتوصیف وتوثیق وتصدیق فرمائی ہے، اگر ان کی فقہ ضعیف احادیث پر مبنی ہوتی تو یہ ائمہ وعلماء ان کی فقہ پر اعتماد اور اس کی تعریف وتوثیق کیسے فرما سکتے ہیں؟

مثلاً مشہور محدث امام جرح وتعدیل حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ نے فرمایا کہ، ہم جھوٹ نہیں بولتے، ہم نے امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر کوئی رائے نہیں سنی اور ہم نے آپ کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے۔(۱)

اور امام شافعیؒ نے ارشاد فرمایا کہ سارے لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں اور یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ حضرت وکیع بن الجراحؒ (جو امام شافعی کے استاذ اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں) امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے اور امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ابوحنیفہ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں اور ابن معین نے فرمایا کہ میرے نزدیک قرأت تو حضرت حمزہ کی ہے اور فقہ امام ابوحنیفہ کی فقہ ہے اور میں نے لوگوں کو اسی پر پایا ہے اور محدث یزید بن ہارون نے فرمایا کہ میں نے ایک ہزار آدمیوں سے ملاقات کی ہے اور ان میں سے اکثر حضرات سے میں نے حدیث لکھی ہے، لیکن پانچ حضرات سے زیادہ فقیہ، عالم اور متقی میں نے کسی کو نہیں دیکھا، اور ان میں سے ابوحنیفہ اول نمبر پر ہیں۔(۲)

یہ سارے اقوال، کتب اسماء الرجال میں درج ہیں جن سے امام ابوحنیفہ کی فقہ پر علماء وائمہ کا اعتماد ظاہر ہو رہا ہے، کیا ضعیف احادیث پر مبنی فقہ پر یہ فن حدیث کے

---

(۱) تہذیب: ۴۵۰،۸/۱۰

(۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱۶۸/۱، تہذیب: ۴۴۹/۱۰، تاریخ بغداد: ۳۰۰/۱۳

ائمہ فن اسماء الرجال کے ماہرین، ایسا اعتماد ظاہر کر سکتے ہیں اور کیا اس کے مطابق فتوی دے سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کا فقہ حنفی کے خلاف یہ پروپگنڈا محض جھوٹ پر مبنی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ کسی حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا بھی ایک اجتہادی معاملہ ہے، اور اس میں بھی آراء کا اختلاف ہوسکتا اور ہوتا ہے۔ چنانچہ امام مسلم اور امام بخاری کے مابین بھی بعض احادیث میں اختلاف ہے کہ امام بخاری کے نزدیک عنعنہ والی حدیث میں راوی اور اس کے شیخ کا لقاء ثابت ہونا ضروری ہے محض معاصرت و امکان لقاء کافی نہیں، مگر امام مسلم نے امام بخاری کے مسلک پر مقدمہ میں سخت تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ راوی اور اس کے شیخ کا محض معاصر ہونا اور دونوں میں لقاء کا امکان ہونا صحت حدیث کے لیے کافی ہے، اس طرح اور بھی بعض شرائط میں ائمۂ حدیث کا اختلاف ہے۔ نیز راوی کے بارے میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، ایک محدث ایک راوی کو ثقہ قرار دیتا ہے مگر وہ دوسرے محدث کے نزدیک ضعیف ہوتا ہے خود بخاری اور مسلم میں متعدد ایسے راوی ہیں جن کے بارے میں دوسرے محدثین نے جرح کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث پر صحیح و ضعیف ہونے کا حکم اجتہادی امر ہے جس میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کسی روایت و حدیث کے امام بخاری یا دوسرے بعض ائمہ کے نزدیک ضعیف ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ تمام ائمہ کے نزدیک ضعیف ہو۔ ہوسکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ احادیث صحیح ہوں، جن کو ضعیف کہا جارہا ہے جس طرح کہ دار قطنی کے نزدیک بخاری و مسلم کی متعدد احادیث ضعیف ہیں چنانچہ دار قطنی نے امام بخاری و امام مسلم کی ان احادیث پر ''استدراک'' لکھا ہے۔ جیسا

کہ اہل علم جانتے ہیں۔غرض یہ کہ غیر مقلدین کا یہ اعتراض یا وسوسہ کہ فقہ حنفی ضعیف احادیث پر مبنی ہے محض اٹکل اور نا قابل التفات ہے۔

(۴) ہاں ایک بات غور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر کسی باب میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو اور صرف ضعیف حدیث ہو تو امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ قیاس کے بجائے ضعیف حدیث ہی کو قبول فرما لیتے ہیں اور یہی مسلک امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ:

امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک رائے وقیاس سے اولی ہے اور اسی پر ان کا مذہب مبنی ہے۔(۱)

نیز علامہ ابن القیمؒ نے فرمایا کہ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے اور اس میں تمام ائمہ ان کے ساتھ متفق ہیں (اعلام ۱/۳۱) اور ابن حزم ظاہری نے بھی اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' (۷/۵۴) میں امام ابوحنیفہ کے اس مسلک کا ذکر کیا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ امام ابوحنیفہ ضعیف احادیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کو نہیں اختیار کرتے، چہ جائیکہ صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے قیاس کریں؟ معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ صحیح احادیث اور اگر صحیح احادیث نہ ہوں تو ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔مگر اس بات کو بگاڑ کر یوں تعبیر کرنا کہ فقہ حنفی کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے۔محض تعصب وجہالت ہے۔

امام ابوحنیفہ کا علمی مقام:

غیر مقلدین نے محض تعصب وعناد سے ایک وسوسہ یہ پیدا کیا ہے کہ

(۱) اعلام: ۱/۷۷

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کو قرآن وحدیث کا علم نہیں تھا اور یہ کہ ان کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اور غیر مقلدین کے ایک مشہور عالم مولانا صدیق حسن خان بھوپالی نے تو حد ہی کر دی اور یہ لکھدیا کہ ابوحنیفہ عربی زبان سے بھی پوری طرح واقف نہیں تھے۔(۱)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض تعصب وعناد کی بنا پر ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے ہم نے اوپر ائمہ کبار سے امام ابوحنیفہ کی فقہ پر اعتماد اور اس کی تعریف وتوثیق نقل کی ہے اور یہ ائمہ بڑے بڑے محدثین اور جرح وتعدیل کے ماہرین تھے۔ اگر امام ابوحنیفہ کو علم نہ تھا حدیث سے واقفیت نہ تھی اور صرف سترہ حدیثیں ان کو یاد تھیں تو ان ائمہ نے ان کی اور ان کے فقہ کی تعریف وتوثیق کیسے فرمادی؟

دوسرے امام ابوحنیفہ کے قرآن وحدیث کے ماہر ہونے پر صراحت کے ساتھ ائمہ کرام کے اقوال کتب رجال وسیر میں موجود ومحفوظ ہیں ان کے ہوتے ہوئے امام ابوحنیفہ کو قرآن وحدیث سے بے خبر کہنا انتہائی جسارت اور ائمہ اسلاف سے بدظنی اور ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ ساتھ درپردہ اسماء الرجال کے مقدس علم سے اعتماد ختم کرنے کی ناپاک کوشش وسازش بھی ہے، آخر اسی فن اسماء الرجال کی بنا پر لوگ امام بخاری وامام مسلم اور دیگر محدثین کی جلالت وبزرگی اور ان کے علم وعمل اور قربانیوں وخدمات کو جانتے اور مانتے ہیں؟ اگر اسی علم کی بنا پر امام ابوحنیفہ کی بزرگیاں ثابت ہوں اور کوئی ان کو نہ مان کر ان کے خلاف غلط پروپگنڈا کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ علم اسماء الرجال کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ اب آیئے امام ابوحنیفہ کا علمی مقام انہی کتب سے معلوم کریں۔

---

(۱) ابجد العلوم: ۱۰۰/۳

امام شمس الدین الذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' چار جلدوں میں لکھی ہے اور اس میں ان کے بقول صرف ان لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو ''علم نبوی'' کے حاملین ہیں جو عادل ومتقی ہیں اور احادیث کی توثیق وتضعیف اور تصحیح وتضعیف کے سلسلہ میں جن کے اجتہاد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اس کتاب میں علامہ ذہبی نے علم نبوی (حدیث) کے ماہرین اور حدیث کی جانچ پرکھ کے سلسلہ میں قابل اعتماد بزرگوں کا تذکرہ لکھا ہے۔

اس تذکرۃ الحفاظ میں ''الامام ابوحنیفہ'' کا بڑے بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

كَانَ اِمَامًا وَرَعًا عَالِمًا عَامِلاً مُتَعَبِّدًا كَبِيْرَ الشَّانِ. (۲)

ذہبی اور دیگر حضرات نے نقل کیا ہے کہ مشہور محدث امام ابوداؤد نے فرمایا کہ اللہ ابوحنیفہ پر رحم کرے کہ وہ امام تھے۔(۳)

علامہ سیوطی نے امام ابوحنیفہ کے مناقب میں مستقل رسالہ ''**تبییض الصحیفه**'' لکھا ہے اس میں خلف ابن ایوبؒ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ علم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد ﷺ کی طرف آیا پھر صحابہ کی طرف، پھر تابعین کی طرفِ پھر ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی طرف۔(۴)

عبداللہ بن داؤد الحربی نے فرمایا کہ اہل اسلام پر ضروری ہے کہ وہ اپنی نماز میں ابوحنیفہؒ کے لیے دعا کریں پھر انھوں نے امام ابوحنیفہ کے اس کارنامہ کا ذکر کیا کہ حدیث وفقہ کو محفوظ ومدون کیا۔(۵)

(۱) تذکرۃ الحفاظ:۱/۲(۲) تذکرۃ:۱/۱۶۸(۳) تذکرۃ:۱/۱۶۹(۴) ابوحنیفہ واصحابہ:۹
(۵) تاریخ بغداد:۱۳/۳۴۴،تہذیب الکمال:۲۹/۴۲۲

مکی بن ابراہیم وشداد بن حکیم نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۱)

یزید بن ہارون محدثؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک ہزار آدمیوں سے ملاقات کی اور ان میں سے اکثر سے حدیث لکھی لیکن پانچ حضرات سے زیادہ فقہ میں علم اور تقوی میں کسی کو نہیں دیکھا اور ان پانچ میں اول نمبر پر ابوحنیفہ ہیں۔(۲)

امام بخاری کے شیخ امام یحیٰ بن آدمؒ نے فرمایا کہ ابوحنیفہؒ نے اپنے شہر کوفہ کی ساری حدیثیں جمع کر لی تھیں اور انہوں نے اس میں غور کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آخری وقت میں کس بات پر تھے یعنی آخری سنت کیا تھی؟

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ میں جب بھی کسی حدیث کی طرف مائل ہوتا تو ابو حنیفہ کو صحیح حدیث کے بارے میں میرے سے زیادہ صاحب بصیرت پاتا۔(۳)

یہ سارے اقوال صاف بتا رہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے امام و عالم وفقیہ ومحدث تھے، فن حدیث میں مہارت رکھتے تھے اور اسماء الرجال کے فن کے بھی ماہر تھے اور آپ کی طرف اس فن میں رجوع کیا جاتا تھا اس کے باوجود یہ کہنا کہ آپ کو حدیث کا علم نہ تھا انتہائی جہالت کی بات ہے پھر یہ بھی معلوم ہو نا چاہیئے کہ آپ نے ہزاروں احادیث سے انتخاب کر کے حدیث کی روایت کی ہے اور وہ روایات مختلف کتب حدیث میں جمع ہیں۔ نیز آپ کے شاگردوں نے اس مروی مجموعہ کو کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ جو مسند ابوحنیفہ و کتاب الآ ثار کے نام سے دنیا میں معروف و مشہور اور علماء کے درمیان میں مستند و متداول ہے آخر میں ایک بات ابن خلدون مؤرخ کی نقل کر کے اس جواب کو ختم کرتا ہوں۔

---

(۱) تاریخ بغداد: ۳۴۵/۱۳ (۲) جامع العلم: ۲۹/۱، تاریخ بغداد: ۳۶۳/۱۳، تہذیب الکمال: ۴۳۹/۲۹ (۳) تاریخ بغداد ۳۴۰/۱۳

وہ اپنے معرکۃ الآراء ''مقدمہ'' میں فرماتے ہیں:

''بعض بغض وعناد رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ مجتہدین میں سے بعض حدیث کے بارے میں قلیل البضاعت تھے، اسی لیے ان کی روایت حدیث کم ہوگئی مگر ائمہ کبار کے بارے میں اس اعتقاد کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ شریعت تو کتاب و سنت ہی سے اخذ کی جاتی ہے اور جو حدیث میں کم سرمایہ رکھنے والا ہو اس پر یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ وہ اس کی طلب و جستجو میں لگے تاکہ اصول صحیحہ سے دین حاصل کرے اور احکام کو ان کے اصل مبلغ سے حاصل کر سکے، اور امام ابو حنیفہ نے جو روایت کم کی ہے تو اس کی وجہ روایت اور اس کے تحمل کی شرائط میں ان کا سخت ہونا ہے، یہ نہیں کہ انہوں نے عمداً حدیث کی روایت ترک کردی تھی اور حدیث کے علم میں آپ کے کبار مجتہدین میں سے ہونے پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ علماء کے درمیان آپ کے مذہب پر اعتماد و بھروسہ ہے اور رداً و قبولاً اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (۱)

غرض یہ کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ حدیث نہیں جانتے تھے غلط پروپگنڈہ ہے اور جھوٹ ہے۔

رہی یہ بات کہ آپ سے احادیث کی روایت کم ہوئی ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ حدیث کا جاننا الگ بات ہے اور روایت کرنا دوسری چیز ہے، ایک محدث حدیث جاننے کے باوجود روایت کرنے میں کمی کر سکتا ہے اور اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں، کون نہیں جانتا کہ تمام صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرؓ کو نبی کریم ﷺ کا قرب و مصاحبت سب سے زیادہ حاصل تھی، اور تمام صحابہ میں علم و عمل کے لحاظ سے یہ حضرات سب سے فوقیت رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود حضرت ابو بکر صدیقؓ سے صرف ایک سو بیالیس احادیث اور حضرت عمرؓ سے کل پانچ سو انچالیس احادیث مروی

(۱) مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۴

ہیں اور ان کے مقابلہ میں بعض اور صحابہ جیسے حضرت ابو ہریرہؓ سے پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث مروی ہیں، وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے اس کے لیے فرصت نہ ملی کہ وہ احادیث روایت کریں یا یہ کہ وہ روایت کرنے میں احتیاط برتتے تھے، یہی حال امام اعظم ابو حنیفہ کا تھا کہ ان کے یہاں حدیث کی روایت کے لیے سخت شرائط تھیں، تو احتیاطاً وہ کم روایت کرتے تھے اور یہ دراصل خوبی وکمال ہے نہ کہ عیب و نقص۔

کیا امام ابو حنیفہؒ حدیث میں ضعیف تھے؟

غیر مقلدین نے ایک وسوسہ لوگوں کے درمیان یہ پیدا کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ضعیف تھے، غیر مقلد عالم مولانا صدیق حسن خان صاحب نے ابجد العلوم میں لکھا کہ ابو حنیفہ کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بات ایسی ہی ہے، جیسا کہ ان کے مذہب میں نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔(۱)

مگر یہ وسوسہ بھی بغض و عناد و تعصب کا نتیجہ ہے، کیونکہ کتب اسماء رجال میں متعدد کبار ائمہ سے آپ کی توثیق و تعدیل اور حدیث میں ثقہ و قابل اعتماد ہونا اور آپ کا حفظ حدیث میں جید ہونا صراحت سے مذکور ہے، یہاں چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) امام یحیٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، انھوں نے فرمایا کہ ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ (قابل اعتماد) تھے اور صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو حفظ ہوتی اور جو حفظ نہ ہوتی تو بیان نہ کرتے۔(۲)

(۲) امام ابن معین ہی نے ایک روایت میں فرمایا کہ ابو حنیفہ میں کوئی خرابی نہیں (لاباس بہ) (حوالہ سابق) اور ابن معین کی اصطلاح میں ''لاباس بہ'' توثیق

(۱) ابجد العلوم: ۱۰۰/۳ (۲) تہذیب الکمال: ۴۳۴/۲۹، تہذیب التہذیب ۴۴۹/۱۰

کے لیے استعمال ہوتا تھا جیسا کہ اس فن سے مناسبت رکھنے والے جانتے ہیں۔(۱)

(۳) ابن معین سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں، میں نے کسی کو ان کی تضعیف کرتے نہیں سنا، یہ شعبہ بن الحجاج ہیں جو ابوحنیفہ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کریں اور اسکا حکم دیتے ہیں اور شعبہ تو شعبہ ہیں۔(۲)

مطلب یہ کہ شعبہ جیسے محتاط محدث جو کسی ضعیف سے روایت نہیں کرتے جب انہوں نے ابوحنیفہؒ کو حدیث بیان کرنے کا حکم دیا تو اس کا کیا وزن ہوگا، اندازہ کیا جائے۔

(۴) امام بخاری کے استاذ، علی بن المدینیؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ سے سفیان ثوری و ابن المبارک نے روایت کیا ہے، اور وہ ثقہ تھے جن میں کوئی خرابی نہیں۔(۳)

(۵) امام ابن لمبارکؒ نے امام ابوحنیفہ کی توثیق و تعدیل فرمائی ہے، چنانچہ ابن عبد البر نے الانتقاء میں اپنی سند کے ساتھ اسماعیل بن داؤد سے نقل کیا ہے کہ امام ابن المبارک، امام ابوحنیفہ کے بارے میں، ہر خوبی بیان کرتے اور ان کی توثیق و تعدیل کرتے اور ان کی تعریف فرماتے۔(۴)

(۶) امام ابوداؤد نے فرمایا کہ اللہ ابوحنیفہ پر رحم کرے، وہ امام تھے۔(۵)

یہ امام ابوداؤد کی طرف سے امام ابوحنیفہ کی توثیق ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ کسی کے بارے میں ''امام'' کہنا بڑے اونچے درجہ کی توثیق ہے۔(۶)

(۷) امام شعبہ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ ''جیّد الحفظ'' (اچھے حافظہ) والے ہیں۔(۷)

---

(۱) تدریب الراوی: ۱/۱۸۶، فتح المغیث: ۱/۳۹۶ (۲) الانتقاء: ۱۲۷ (۳) الجواہر المضیئۃ: ۱/۲۹
(۴) الانتقاء: ۱۴۰ (۵) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۶۹ (۶) فتح المغیث: ۱/۱۶۹
(۷) الخیرات الحسان بحوالہ مقدمہ اعلاء السنن: ۱/۱۹۸

یہ بطور نمونہ چند کبار محدثین کے اقوال پیش کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف نہیں بلکہ ثقہ وقابل اعتماد تھے، حتیٰ کہ امام ابوداؤد نے لفظ امام کہہ کر آپ کی توثیق وتعریف کا حق ادا فرمادیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ حافظہ کے لحاظ سے بھی قابل اعتماد تھے، جیسا کہ امام شعبہ نے فرمایا کہ آپ ''جیّد الحفظ'' تھے۔

ان ائمہ کبار کی توثیق وتعریف جو یہاں نقل کی گئی وہ محض نمونہ کے لیے ہے ورنہ بڑے بڑے محدثین وائمہ نے آپ کے فضائل ومناقب میں ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جیسے:

(۱) امام ابن عبدالبر مالکیؒ نے الانتقاء۔

(۲) امام ابن حجر مکی شافعی نے الخیرات الحسان۔

(۳) امام سیوطی شافعی نے تبییض الصحیفۃ۔

(۴) امام شمس الدین الذہبی نے ایک جزءورسالہ۔

(۵) علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی نے عقود الجمان فی مناقب النعمان۔

لکھی، ان کے علاوہ ہزاروں کتب ورسالوں میں آپ کا تذکرہ موجود ہے اور آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے۔

ہاں بعض حضرات نے اس جلیل القدر وعظیم المرتبت امام کی تنقیص وتضعیف کی ہے مگر اس کا کوئی وزن علمی دنیا نے نہیں مانا، بلکہ خود ان تنقیص کرنے والوں پر تنقید کی، کیوں کہ ان میں اکثر نے یا تو امام ابوحنیفہ کے بارے میں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تضعیف کی ہے یا حسد کی وجہ سے کی ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن داؤد محدثؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں لوگ دوطرح کے ہیں، یا تو آپ کے مقام سے ناواقف ہیں یا آپ سے حسد کرنے والے

ہیں۔(۱)

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے فرمایا کہ:

''ابوحنیفہؒ سے جن محدثین نے روایت کی اور آپ کی توثیق کی وہ ان کے مقابلہ میں زیادہ ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔(۲)

آخر میں علامہ ابن عبدالبر مالکی کی یہ عبارت پیش کر کے، دعوت غور وفکر دیتا ہوں وہ فرماتے ہیں:

وا لصحیح فی ھذاالباب ان من صحت عدالته و ثبتت فی العلم امانته و بانت ثقته وعنایته بالعلم ، لم یلتفت فیه الی قول احد الا ان یاتی فی جرحته ببینةٍ عادلةٍ. (۳)

(ترجمہ: اس باب میں صحیح بات یہ ہے کہ جس کی عدالت صحیح طور پر ثابت ہو جائے اور علم میں اس کی امانت معلوم ہو جائے اور اس کی ثقاہت اور علم کے بارے میں اس کی عنایت ظاہر ہو جائے اس کے بارے میں کسی کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائیگی مگر یہ کہ اس کی جرح کے بارے میں وہ عادل گواہ پیش کرے۔)

اس عبارت میں غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ سیدنا الامام ابوحنیفہ جن کی ثقاہت وعدالت تواتر کے ساتھ ہر زمانہ وعلاقے میں معروف ومشہور رہی ہے ان کو جہالت یا حسد یا سنی سنائی باتوں کی وجہ سے ضعیف کہنا علمی دنیا میں کیا وزن رکھتا ہے؟

اگر کسی کے بارے میں محض جرح کا ہو جانا، بلاتحقیق، قابل قبول ہو تو پھر شاید ہی کوئی امام ومحدث جرح سے بچے گا، کیونکہ ہر امام کے بارے میں کچھ نہ کچھ لوگ کسی

---

(۱) تہذیب الکمال: ۴۴۱/۲۹، تہذیب التہذیب: ۴۵۰/۱۰ (۲) جامع العلم: ۱۴۹/۲

(۳) جامع العلم: ۱۸۶/۲

نہ کسی معقول یا غیر معقول وجہ سے جرح کرنے والے مل جائیں گے، حتیٰ کہ بعض حضرات نے امام بخاری کو مدلس کہہ کر اور بعض نے خلق قرآن کے قائل ہونے کا الزام لگا کر متروک قرار دیا ہے، ابن معین نے امام شافعی کو ضعیف کہا ہے یہ سب امور اہل فن پر پوشیدہ نہیں، اگر ان باتوں کو قبول کرلیا جائے تو پھر کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔

ان سطور پر اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالے عقل سلیم اور فہم سلیم عطا فرمائے۔

تقلید ائمہ، اجماع و قیاس کا شرعی حکم

امامِ حرم کا ایک اہم فتوی

یہاں تقلید ائمہ کرام و اجماع و قیاس شرعی سے متعلق حرم مکی کے امام اور امور مسجد حرام و مسجد نبوی کے رئیس عمومی فضیلۃ الشیخ محمد عبداللہ السبّیل حفظہ اللہ تعالی کا ایک اہم و تفصیلی فتوی بھی درج ہے، تا کہ یہ بات لوگوں کے سامنے صاف طریقہ پر آ جائے کہ غیر مقلدین کے مسلک میں اور علماء عرب اور بالخصوص سعودی عرب کے علماء اور حرم شریف کے ائمہ کے مسلک میں کتنا فرق ہے۔

جبکہ یہ غیر مقلدین اپنے مسلک کو علماء عرب و ائمہ حرم کے مطابق کہہ کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، یہ فتوی عربی میں ہے اس کا ترجمہ ماہنامہ دارالعلوم میں شائع ہوا ہے اور عربی فتوی بھی اُسی میں شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

فتویٰ

از: **فضلة الشيخ محمد بن عبد الله السبيل**

امام الحرمين الشريفين

سیکریٹریٹ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نمبر ۱۰-۲۹۶ مورخہ ۸/محرم ۱۴۱۶ھ

عنوان: سوالات کا جواب:

مکرم ڈاکٹر عدنان حکیم حفظہ اللہ تعالی بواسطہ شیخ غلام بن عبدالحکیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ۱۹/۷/۱۹۹۵ء کے مکتوب میں بعض سوالات کا جواب طلب کیا گیا

ہے اس خط کے حوالہ سے فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل امور مسجد حرام و مسجد نبوی ﷺ کے سربراہ کا مکمل جواب ارسال کرنے پر خوشی محسوس کرتا ہوں، اللہ تعالی سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے۔

ڈاکٹر احمد مقری: مدیر المجمع الفقهی الاسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی ادارہ برائے امور مسجد حرام و مسجد نبوی

مملکت عربیہ سعودیہ

(ڈاکٹر عدنان حکیم کے سوالات کا جواب)

سب تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے میں درود و سلام کہتا ہوں محمد ﷺ پر جو ہمارے آقا ہیں اور اسکے بندے اور رسول، نیز آپ کی آل پر اور تمام اصحاب پر۔

سوال نمبر (۱): کیا صحابہ کرام، تابعین عظام، اور فقہاء امت کا اجماع حجت شرعیہ ہے یا نہیں؟ اور کیا اجماع تشریع اسلام کا تیسرا ماخذ ہے یا نہیں؟ اجماع کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بالکلیہ اجماع کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب: باتفاق علماء صحابہ کرام کا اجماع حجت شرعیہ ہے، اسی طرح تابعین اور فقہاء کا اجماع بھی حجتِ شرعیہ ہے البتہ اس میں داود ظاہری نے اختلاف کیا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ غیر صحابہ کا اجماع حجت شرعیہ نہیں لیکن حجت ہونے کا قول صحیح ہے کیوں کہ حجیت اجماع کے دلائل عام ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہ غیر صحابہ سب کے

اجماع کو شامل ہیں اس لیے صرف صحابہ کرام کے اجماع کو حجت کہنا سینہ زوری ہے، اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ! کتاب وسنت کے بعد اجماع کو تشریع اسلامی کے مآ خذ میں سے تیسرا مآ خذ تسلیم کیا گیا ہے۔

دلائل حجیت اجماع:

جمہورِ علماء کے نزدیک اجماع حجت شرعیہ ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس پر کتاب وسنت کے بہت سے دلائل ہیں ہم ان میں سے چند ایک ذکر کرتے ہیں۔

(۱) فرمان خداوندی ہے "﴿ومن یشاقق الرسول من بعد﴾ "(الآیۃ:) جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور سبیل المومنین کے علاوہ کسی دوسرے راستہ پر چلتا ہے ہم اُسکو ادھر پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرتا ہے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ (نساء:۱۱۵)

اللہ تعالی نے سبیل المومنین کے ترک پر وعید فرمائی ہے اگر یہ حرام نہ ہوتا تو اس پر وعید نہ وارد ہوتی، اور اس وعید میں سبیل المومنین کے ترک کو اور مخالفت رسول کو جو حرام ہے جمع نہ کیا جاتا اور جب غیر سبیل المومنین کی اتباع حرام ہے تو سبیل المومنین کی اتباع واجب ہوگی اور اجماعی حکم سبیل المومنین ہے، لہٰذا اس کی اتباع واجب ہے۔

(۲) اور سنت سے دلیل یہ ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالی نے میری امت کو یہ فرمایا امت محمد ﷺ کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔ (۱)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو جماعت سے کٹا وہ آگ میں پڑا۔ (۲)

---

(۱) ترمذی:۲۰۹۳ (۲) ترمذی:۲۰۹۳

ان سب احادیث کا اختلافِ الفاظ کے باوجود مفہوم ایک ہے، یعنی مجموعی طور پر امت کا خطا سے معصوم ہونا، اس سے ثابت ہوا کہ علماء کا اجماع حجتِ شرعیہ ہے۔ ہمیشہ ان احادیث سے بغیر کسی ردوقدح کے پہلے صحابہ کرام پھر ان کے بعد والے علماء عظام حجتِ اجماع کو ثابت کرتے رہے ہیں، تا آنکہ بعد میں مخالفینِ اجماع پیدا ہو گئے۔

منکرین اجماع کا حکم

اجماع قطعی کے منکر کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں:

(۱) مطلقاً اجماع قطعی کا انکار کفر ہے۔

(۲) مطلقاً اجماع قطعی کا انکار کفر نہیں۔

(۳) اگر اجماعی حکم کا دین میں سے ہونا امر قطعی ہو جیسے پانچ نمازیں تو اس کا انکار کفر ہے اور اگر اس کا دین میں ہونا امر قطعی نہ ہو تو اس کا انکار کفر نہیں، تاہم اجماع کی مخالفت جائز نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

سوال نمبر (۲): قیاس کی بنیاد ظن پر ہے اور جس چیز کی بنیاد ظن پر ہو وہ ظنی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ظن کی اتباع سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اور اس چیز کے پیچھے مت چل جس کا تجھے علم نہیں۔'' (الاسراء:۳۶)

لہٰذا 'قیاس کے ساتھ حکم بتانا درست نہیں کیونکہ یہ اتباع ظن ہے'۔

جواب: قیاس فقہ اسلامی کے مآخذ میں سے چوتھا ماخذ ہے اور اس کی حجیت کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اس پر صحابہ کرام، تابعین اور فقہاء امت نے قرنہا قرن عمل کیا ہے، جمہور علماء کے نزدیک قیاس پر عمل کرنا واجب ہے جب کہ داود ظاہری اور ان کے پیروکاروں نے اسکا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا کہ قیاس حجتِ

شرعیہ نہیں ہے، ان کے دلائل میں سے ایک دلیل وہی ہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے علماء نے ان کے دلائل کے جوا بات بھی دیئے ہیں، ہم مختصر طور پر بعض جواب ذکر کرتے ہیں اور اگر آپ کو مزید وسعت درکار ہو تو کتبِ اصول فقہ کی طرف مراجعت کیجیئے۔ مثلاً علامہ جوینیؒ کی البرہان، امام رازیؒ کی المحصول، الاحکام للآمدیؒ، شروح مختصر ابن حاجبؒ، اصول سرخسیؒ، اور عبدالعزیز بخاریؒ کی کشف الاسرار ان کتابوں میں منکرین قیاس کا تفصیلی رد ہے۔ بہر کیف وہ آیات جن میں اتباع ظن سے نہی کی گئی ہے، ان کا قیاس شرعی سے کوئی تعلق نہیں نہ اس پر منطبق ہوتی ہیں کیونکہ ان آیات میں جس چیز سے نہی کی گئی ہے وہ ہے عقائد میں ظن کی اتباع۔ رہے احکامِ عملیہ سو ان کے اکثر دلائل ظنی ہیں اگر ہم اس شبہ کا اعتبار کرلیں تو ہمیں وہ تمام دلائل شرعیہ ترک کرنے پڑیں گے جو ظنی الدلالت ہیں اور یہ باطل ہے، رہا ان کا اللہ تعالی کے فرمان ﴿وَلاتَقْفُ مالَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ﴾ سے استدلال سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود نہی ہے اس بات سے کہ کوئی انسان محل یقین میں امکانِ تیقن کے باوجود حصول یقین سے انحراف کر کے ظن وتخمین پر اعتماد کرے پس یہ بھی قیاس شرعی کو شامل نہیں کیونکہ فرع واصول کے درمیان علت جامعہ پائے جانے کی وجہ سے حکم کے اعتبار سے فرع کو اصل کے ساتھ لاحق کرنا اس حکم کے قبیل سے نہیں جس سے آیت میں منع کیا گیا ہے، یعنی بغیر علم کے قول کرنا، کیوں کہ مجتہد اسی چیز کو اختیار کرتا ہے جو اس کے نزدیک راجح ہوتی ہے اور اس کا اجتہاد اس تک پہنچتا ہے۔

سوال نمبر (۳): قیاس شرعی کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے؟

جواب: علماء نے قیاس کی حجیت کو کتاب وسنت اور اجماع سے نیز عقلی دلیل سے ثابت کیا ہے، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں اور اگر مزید دلائل

معلوم کرنے کا ارادہ ہوتو ان کتب اصول کی طرف مراجعت کی جائے جن کا میں نے منکرین قیاس کے شبہات کے رد میں پہلے ذکر کیا ہے، کتاب اللہ سے دلیل فرمان الٰہی ہے۔﴿هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب ﴾۔اللہ وہ ہے جس نے اہل کتاب میں کافروں کو ان کے گھروں سے نکالا۔

پہلے حشر کے وقت تمہارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کے عذاب سے بچالیں گے سوان پر اللہ کا عذاب ایسے طور پر آیا جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا وہ گراتے تھے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مؤمنین کے ہاتھوں، پس عبرت پکڑو اے اربابِ بصیرت: محلِ استدلال اللہ تعالی کا فرمان ﴿فاعتبروا یا اولی الابصار﴾ ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جب مسلمانوں کو اس عذاب کی خبر دی جو بنونضیر پر نازل ہوا تو ان کو حکم دیا کہ وہ عبرت پکڑیں اور الاعتبار، العبور سے مشتق ہے، اور العبور کا معنی ہے المجاوزۃ یعنی گذرنا مقصود یہ ہے کہ اپنے نفوس کو ان پر قیاس کرو کیونکہ تم بھی ان جیسے بشر ہو اگر تم ان جیسے کام کرو گے تو تمہارے اوپر بھی وہی عذاب اتر پڑے گا جو ان پر اترا۔

پس یہ آیت تمام انواعِ اعتبار کو شامل ہے اور جب قیاس میں فرع و اصل کے درمیان موجود علت جامعہ کی وجہ سے فرع سے اصل کی طرف مجاوزت ہوتی ہے تو یہ بھی اس اعتبار کے انواع میں داخل ہوگا جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اور سنت سے دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو دریافت فرمایا کہ آپ کیسے فیصلہ کریں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ، فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ حضرت معاذؓ

نے جواب دیا سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر آپ کو سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی نہ ملے تو پھر؟ کہنے لگے میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پہ ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔

اور اس کی بہت سے محققین نے تصحیح کی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فیصلہ کرنے میں حضرت معاذؓ کے کتاب وسنت سے اجتہاد کی طرف منتقل ہونے کو درست قرار دیا ہے اور قیاس بھی اجتہاد کے انواع میں سے ایک نوع ہے۔

علاوہ ازیں عمل بالقیاس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے اور ہر وہ امر جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہو وہ حق ہے اس کا التزام واجب ہے اس کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اپنا مشہور حکم نامہ تحریری طور پر بھیجا کہ اشباہ ونظائر کو پہنچانے اور امور میں اپنی رائے کے ساتھ قیاس کیجئے (سنن کبری بیہقی، الفقیہ والمتفقہ للخطیب) عقلی دلیل یہ ہے کہ کتاب و سنت کی نصوص محدود اور متناہی ہیں اور لوگوں کو درپیش مسائل غیر متناہی ہیں کیونکہ ہر زمان ومکان میں نئے مسائل ظہور پذیر ہوتے ہیں سو اگر ان کے احکام معلوم کرنے کے لیے کتاب وسنت کی نصوص پر قیاس نہ کریں تو وہ بغیر حکم شرعی کے باقی رہ جائیں گے اور یہ باطل ہے کیونکہ شریعت مقدسہ عام ہے اور تمام نئے پیش آمدہ مسائل کو شامل ہے: ہر ہر واقعہ کے لیے شریعت میں حکم موجود ہے اور مجتہدین پر لازم ہے کہ وہ استنباط کے قواعد معروفہ کے موافق استنباط کریں۔

سوال نمبر (۴): رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے جو درست

اجتہاد کرے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو غلط اجتہاد کرے اس کے لیے ایک اجر ہے؟

جواب: اس سے مراد حاکم یا قاضی یا عالم مجتہد ہے، جب اس نے اجتہاد کیا اور اپنی ممکنہ استطاعت کسی مسئلہ کے حکم معلوم کرنے میں صرف کی اس کے باوجود اس سے حکم میں غلطی ہوگئی تو وہ گناہ گار نہ ہوگا، بلکہ اپنے اجتہاد پر ماجور ہوگا اور اگر اس نے حق کو پالیا تو اس کے لیے دو گنا اجر ہوگا ایک اجر اجتہاد پر دوسرا اصابتِ حق پر، بشرطیکہ وہ شرائط اجتہاد کا عالم وحامل ہو اور اگر شرائط اجتہاد کا عالم وحامل نہ ہو اور محض تکلف کر کے اجتہاد کرے اور علم کا دعویٰ کرے تو یہ حدیث اس کو شامل نہیں۔

سوال نمبر (۵): جب تمام فقہاء مجتہدین کی آراء کسی واقعہ کے ایک حکم پر متفق ہوں تو کیا وہ قانون شرعی ہو جاتا ہے؟ کیا اس کی اتباع واجب ہے؟ یا اس کی مخالفت جائز ہے؟

جواب: جب تمام فقہاء مجتہدین کسی واقعہ کے ایک حکم پر متفق ہو جائیں تو اس کو اجماع شمار کیا جاتا ہے جس کی مخالفت ناجائز اور اتباع واجب ہے اور جو اس اجماع کی مخالفت کرتا ہے وہ اس وعید کی زد میں آتا ہے جس کو ہم نے حجیتِ اجماع کے دلائل میں ذکر کیا ہے۔

سوال نمبر (٦): کیا احکامِ شرعیہ کے لیے قیاس کا چوتھے ماخذ کے طور پر اعتبار کیا جاتا ہے؟

جواب: کتاب وسنت اور اجماع کے بعد احکامِ شرعیہ معلوم کرنے کے لیے قیاس چوتھا ماخذ ہے، اس کے ذریعے احکامِ شرعیہ معلوم کئے جاتے ہیں۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں امام بخاری نے **کتاب الاعتصام بالکتاب و السنہ** میں فرمایا ہے: ''مطلب یہ ہے کہ کسی کے لیے بچاؤ نہیں مگر کتاب اللہ میں یا

سنت نبویہ میں یا علماء کے اجماع میں جب کہ ان میں حکم موجود ہو پس اگر ان میں حکم موجود نہ تو پھر قیاس ہے۔اس پر امام بخاری نے ترجمۃ الباب قائم کیا **باب الاحکام التی تعرف بالدلائل و کیف معنی الدلالۃ و تفسیرھا**۔یعنی یہ باب ہے ان احکام کے بیان میں جو دلائل سے معلوم کئے جاتے ہیں اور دلالت کیسے ہوتی ہے اور اس کی کیا تفسیر ہے؟ (احکام القرآن:۲:۱۷)

سوال نمبر (۷):اس آدمی کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا ہے؟

جواب: اگر قائل کی مراد ﴿ **انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین** ﴾ والا قیاس ہے تو قائل کا یہ قول درست ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ حسن بصری اور ابن سیرین سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا اور غلط قیاس کیا اور حکماء نے کہا ہے اللہ کے دشمن نے غلط کہا کیونکہ اس نے آگ کو مٹی پر فضیلت دی حالانکہ وہ دونوں ایک درجہ میں ہیں کہ وہ دونوں بے جان مخلوق ہیں۔اور اگر قائل کا مقصد قیاس شرعی کا انکار ورد ہے اور اس پر طعن! تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ ماہرین علماء کا اجماع ہے اخذ بالقیاس پر: اور اجماع کی مخالفت حرام ہے، جب کہ شاذ اقوال کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوال نمبر (۸):اسلامی شریعت میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید (یعنی تقلید شخصی) کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسئلہ تقلید کے اعتبار سے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) مجتہدین یعنی وہ علماء جو دلائل سے مسائل مستنبط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں ان کے لیے تقلید جائز نہیں بلکہ ان پر اجتہاد واجب ہے۔(۲) عوام، یعنی وہ لوگ جو اجتہاد کی قدرت

واہلیت نہیں رکھتے ان لے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید جائز ہے۔اور تقلید سے مراد یہ ہے کہ فقہی مسائل میں دلیل جانے بغیر مجتہد کے قول کی اتباع کرنا۔اس پر دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے پس پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔(الانبیاء:۷)اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان زخمی صحابی کے مشہور واقعہ میں کہ "جب وہ نہیں جانتے تھے تو انہوں نے پوچھ کیوں نہ لیا: عاجز آدمی کے لیے بجز سوال کے کسی بات میں شفاء نہیں"۔

اور عامۃ الناس کو اجتہاد کا مکلّف بنانا متعذر رہے، کیونکہ اجتہاد کا تقاضہ ہے کہ مجتہد میں خاص ذہنی صلاحیت ہو۔علم میں پختگی ہو اور لوگوں کے احوال اور وقائع کی معرفت اور طلب علم اور اس پر صبر کی عادت اور اگر سب لوگ ان شرائط کو پورا کرنے کے لیے ان کے حصول میں مشغول ہو جائیں تو کاروبار معیشت باطل ہو جائیں گے اور نظام دنیا درہم برہم ہو جائے گا۔

سوال(۹): کیا یہ آیت کریمہ " **اتخذو ا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله**" ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید پر منطبق ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: آیت سے مقصود یہ ہے کہ انہوں نے اپنے احبار کو ارباب کی طرح بنالیا کیونکہ انہوں نے ان کی ہر چیز میں اطاعت کی چنانچہ امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کے پاس اس حالت میں آیا کہ میری گردن میں سونے کی صلیب تھی آپ نے فرمایا اے عدی اس کو اتار پھینک۔ یہ بت ہے اور میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ نے سورہ براءۃ کی یہ آیت تلاوت کی ﴿**اتخذو احبارهم و رهبانهم اربابا من دون اللّٰه والمسيح بن مريم**﴾ پھر

فرمایا خوب سن لو وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے یہ اس کو حلال سمجھتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام کرتے تو یہ اس کو حرام سمجھتے۔ سو کہاں ائمہ اربعہ اور کہاں وہ احبار جو اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حلال ٹھرائی ہوئی چیز کو حرام ٹھراتے ہیں۔ اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ائمہ اعلام کو ان احبار جیسا سمجھا جائے کیوں کہ ان ائمہ نے شریعت اسلامیہ کی خدمت میں اپنی پوری قوت صرف کی اور اس میں اپنی زندگیاں لگا دیں اور ان کے درمیان جو مسائل میں اختلاف ہے وہ درحقیقت اختلاف اجتہادات کی وجہ سے ہے۔ ان کا یہ اختلاف باعث اجر ہے۔ اور یہ کہنا کہ مذکورہ بالا آیت ائمہ اربعہ کو بھی شامل ہے جھوٹ ہے، بہتان ہے اس کا سبب جہالت عظیمہ ہے۔

سوال نمبر (۱۰): کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید شرک و کفر کے زمرہ میں داخل ہے؟

جواب: ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید غیر مجتہد کے لیے جائز ہے اس کا کفر و شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ائمہ اربعہ حق اور دین حق کے داعی ہیں۔ انہوں نے اپنے نفوس کو علم شریعت کے سیکھنے سکھانے کے لیے وقف کر دیا۔ حتی کہ اس علم کا بڑا حصہ پایا جس کی وجہ سے ان میں اجتہاد کی قدرت و صلاحیت پیدا ہو گئی۔ سو عامۃ المسلمین جو ان کے مقلد ہیں وہ راہ ہدایت اور راہ نجات پر ہیں انشاءاللہ۔

سوال نمبر (۱۱): اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مقلدین شرک اور کفر کرتے ہیں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کا یہ عقیدہ غلط ہے اس کی قطعاً کوئی بنیاد نہیں اور یہ عقیدہ دلالت کرتا ہے شریعت اسلامیہ سے

بڑی جہالت پر کیوں کہ شریعت اسلامیہ نے کفر وایمان شرک وتوحید کے درمیان فرق کیا ہے ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ دین کا اتنا حصہ ضرور سیکھے جس کے ساتھ وہ شرک و کفراوراجتہاد کے درمیان فرق کر سکے۔

سوال نمبر (١٢): کیا لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کے محتاج ہیں یا نہیں؟ اور جس مسئلہ میں نص نہ ہو اس میں تقلید گمراہی ہے یا نہیں؟

جواب: اس کا جواب ویسا ہی ہے جیسا ہم نے پہلے تفصیلاً لکھا ہے کہ غیر مجتہد محتاج ہے مجتہد کی طرف اور مجتہد کی تقلید خواہ غیر منصوص مسئلہ میں ہو یا نص کے سمجھنے میں ہو جائز ہے یہ تقلید گمراہی کی طرف مفضی نہیں بلکہ اس کا گمراہی سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق کا سوال ہے۔